جامعہ دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ
سمیع الحق

ضروری اعلان

محدث اعظم، محقق العصر، ترمذیٔ وقت، شیخ الحدیث والتفسیر

حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

رحمہ اللہ تعالی و أعلی درجاتہ فی دار السلام

کی سوانح حیات ترتیب دینے کیلئے ہمیں آپ حضرات کا تعاون درکار ہے۔ اس سلسلے میں تمام قارئین سے بالعموم اور حضرت شیخؒ کے تلامذہ و احباب سے بالخصوص یہ گذارش ہے کہ اگر آپ کے پاس حضرت شیخؒ کی کوئی تحریر، واقعہ، خواب، اشعار، دوران درس کی کوئی بات، خط، مضمون یا ان سے متعلقہ کسی کی بھی تحریر یا اشعار وغیرہ ہوں تو ہمیں ذیل میں دیئے گئے پتے پر ارسال فرمادیں۔ خط میں اپنا نام پتہ اور مختصر تعارف بھی ضرور تحریر فرمائیں۔

امید ہے تمام حضرات، حضرت شیخؒ کا حق سمجھتے ہوئے ہمیں اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازیں گے تاکہ اس عظیم المرتبت علمی و روحانی شخصیت کی سوانح حیات شایانِ شان طریقے سے ترتیب دی جاسکے اور ہمارے لئے بھی دعا فرماتے رہیں گے کہ اللہ ہم تمام برادران سے بھی دین کا کام لیتا رہے اور والد محترمؒ کی دو صد سے زائد تصانیف کی احسن طریقے سے طباعت کی توفیق بھی دے۔

نوٹ۔ والد محترمؒ کے تلامذہ سے خصوصی درخواست ہے کہ ان کے پاس اگر حضرت شیخؒ سے پڑھی ہوئی کسی بھی کتاب کی کوئی درسی تقریر موجود ہو تو اس کی ایک عدد نقل ہمیں بھی ضرور ارسال فرمائیں۔ ان شاء اللہ انہیں بھی طبع کروایا جائیگا۔ جزاکم اللہ أحسن الجزاء.

طالب دعا

عبد ضعیف محمد زبیر روحانی بازی استاذ الفنون، جامعہ اشرفیہ

ابن شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالی

مکان نمبر ۴ جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور ۵۴۶۰۰

فون نمبر ۷۵۸۱۶۸۱ - (۰۴۲)

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ **الحق** اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ـــــــ 34
شمارہ نمبر ـــــــ 5
شوال ـــ ۱۴۱۹ھ
فروری ـــ ۱۹۹۹ء

مدیر اعلیٰ	نگران	مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ	حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ	حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز (کوسوو مسلمانوں کا مقتل و مدفن کیوں؟ ملاکنڈ میں نظام عدل کا نفاذ۔ حقیقت یا افسانہ، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی کیلئے خصوصی ایوارڈ' ازبکستان کی سرحد پر دارالعلوم حقانیہ کے طالب علم سمیت کئی بے گناہ طالب علموں کی شہادت) ـــــــ (راشد الحق سمیع حقانی) ـــ ۲

وفیات ـــــــ (جناب شفیق الدین فاروقی) ـــ ۹

سرسید علماء کشمکش اور انگریزی تعلیم ـــــــ (جناب ضیاء الدین لاہوری) ـــ ۱۱

سلامے یا رسول اللہؐ ـــــــ (مولانا عبدالکریم صاحب مدظلہ کلاچی) ـــ ۳۱

عرب دور جاہلیت ایک تحقیقی جائزہ ـــــــ (جناب محمد امجد تھانوی) ـــ ۳۲

مولانا محمد طاسینؒ ایک محقق اور اجتہادی نظر کے عالم ـــــــ (جناب شاہ بلیغ الدین صاحب) ـــ ۴۱

شریعت بل کے حوالہ سے ایک تاریخی مکتوب ـــــــ (جناب حکیم محمد سعید شہیدؒ) ـــ ۴۶

اختلافِ مطالع کے اعتبار اور عدم اعتبار کی تحقیق ـــــــ (مفتی مختار اللہ حقانی) ـــ ۴۹

خصوصی مکتوب ـــــــ (جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب) ـــ ۵۹

دارالعلوم کے شب و روز ـــــــ (مولانا محمد ادریس حقانی) ـــ ۶۰

تبصرہ کتب ـــــــ (حافظ محمد ابراہیم فانی) ـــ ۶۲

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر: 630435 , 630340 -(0923)

ای میل نمبر: E-Mail : haqqania@psh.infolink.net.pk

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ =/15 روپے سالانہ =/150 روپے، بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر

پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز

راشد الحق سمیع حقانی

کوسوو مسلمانوں کا مقتل و مدفن کیوں ؟

عصبیت ایک انتہائی مکروہ اور قابل نفرت مادہ ہے۔ لیکن یہ مادہ انسان میں مذہبی چپقلش کی صورت میں اور بھی بھیانک شکل اختیار کرلیتا ہے۔ اور انسان صفت آدمیت کی اوج ثریا کی بلندیوں سے گر کر بہیمیت کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتا ہے۔ آجکل اس بہیمیت اور صلیبی تعصب کا مظاہرہ مغربی باشندے یورپ کے قلب میں واقع کوسوو کے مسلمانوں کیساتھ کر رہے ہیں۔ جارحیت کا شکار کوسوو بد قسمت بلقان کے علاقہ میں واقع ہے یہ خطہ ہمیشہ ماضی کی طرح ایک بار پھر عیسائی درندگی کی زد میں ہے۔ اس صدی کے اوائل میں بھی اٹلی کے ہاتھوں بلقان کے مسلمان بہت دکھ اٹھا چکے ہیں۔ پھر اس کے بعد روسی تسلط کے دوران بھی یوگوسلاویہ میں یہ مسلمان مشق ستم بنے رہے۔ آزادی کے بعد روسی شکنجے سے تقریباً کئی درجن ممالک اور علاقے آزاد ہوگئے۔ لیکن جب مسلمانوں نے علم آزادی بلند کرنا چاہا تو انہیں آزادی کا اھل نہ سمجھا گیا۔ انہی سرب درندوں نے چند سال قبل بوسنیا میں جو قیامت مسلمانوں پر برپا کی تھی وہ یورپ کے "سفید" ماتھے پر ایک سیاہ دھبہ ہے۔ موجودہ بربریت اور جو مظالم کوسوو کے مسلمانوں پر ڈھائے جارہے ہیں وہ بھی انہی مظالم کا ایک تسلسل ہے۔ جہاں گذشتہ دنوں ایک سو سے زائد مسلم خواتین، بچوں اور مردوں کو اجتماعی طور پر ہلاک کرنے کے بعد ایک بڑے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ سرب درندوں نے اقوام متحدہ کی تحقیقاتی اور تفتیشی ٹیم کے سربراہ کو (جب اس نے سربیا کو مجرم ٹھہرایا تو) انہوں نے انتہائی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک بدر کردیا۔ کہ اس نے کیوں مکروہ حقائق طشت ازبام کیے۔ اس ظلم اور بدمعاشی پر امریکہ اور اقوام متحدہ کی "رگ حمیت" نہیں پھڑکی جو اکثر مسلم ممالک اور عراق کیخلاف "جوش حمیت" کے باعث پھٹتی محسوس ہوتی ہے۔ عراق پر اب بھی مسلسل حملے کیے جارہے ہیں کہ وہ معائنہ کاروں کی ٹیم کے ساتھ تعاون نہیں کررہا ہے، لیکن دوسری جانب سرب درندوں کے ہاتھوں نہ صرف مسلمانوں بلکہ اس کے ساتھ

اقوام متحدہ کی تذلیل بھی کی جارہی ہے۔ لیکن اس معاملہ میں ان کی پیشانیوں پر پسینہ تک نہیں آتا آخر یہ تضاد اور مجرمانہ تغافل کیوں برتا جارہاہے ؟۔ شاید اسلیے کہ یہ مسلمان ہیں ورنہ رنگ و نسل اور ہر چیز میں یہ انکے مشابہ ہیں۔ ان کا جرم یہی ہے کہ انکے دلوں کی تختی پر ابھی تک توحید کی کرن جگمگارہی ہے اور انکے سینوں میں ایمان کی شمعیں باوجود یورپ کے کفر وضلال کی یخ بستہ ہواؤں کے جھکڑ سے ابھی تک نہیں بجھیں۔ تازہ اطلاعات کے مطابق کوسوو کے ۹۰ فیصد مسلمانوں کو اپنے گھروں سے نکال کر برف پوش پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور کردیا گیا ہے۔ جہاں پلاسٹک کے خیموں میں مسلمان بھوک, وافلاس اور سردی میں ٹھٹر ٹھٹر کر موت کا انتظار کررہے ہیں۔ ۲۹ جنوری کو ۲۴ بے گناہ مسلمانوں کو پھر خون ناحق میں نہلا دیا گیا۔ بغیر کسی معقول وجہ اور گناہ کے سرب درندوں نے انکے قتل عام کا یہ جواز پیش کیا کہ ایک روز قبل کوسوو کے پولیس اہلکار کے ہاتھوں ایک سرب فوجی زخمی ہوگیا تھا۔ اس زخم کے بدلے میں ۲۴ بے گناہ شہری قتل کردیے گئے۔ اس ظلم عظیم پر یورپ کا روایتی شوروغل جو انسانی حقوق کی پامالی پر مچایا جاتا ہے وہ دیکھنے اور سننے میں نہیں آرہا۔ اگر کسی مسلم ملک میں چند باؤلے کتے بھی ایک ساتھ مارے گئے ہوتے تو یورپ اور اقوام متحدہ مسلمانوں کے خلاف پھٹ پڑتا۔ بغیر کسی مہلت اور بات چیت ومذاکرات کے بڑی فوجی کاروائی سے بھی دریغ نہ کرتے۔ گذشتہ سات آٹھ سال میں بلقان اور اس کے پورے علاقہ میں خون مسلم کی ندیاں پانی کی طرح بہائی جارہی ہیں۔ اکیسویں صدی کے آغاز پر خوشحالی اور ترقی کے شادیانے بجانے والا یورپ ان مظالم پر گنگ ہے۔ بلکہ خوش ہورہاہے کیونکہ اس کے گندے اور کالے دل سے ابھی تک صلیبی جنگوں کی شکست کا زنگ نہیں اترا اور مذہبی تعصب کا سیاہ پتھر صدیوں بعد بھی ابھی تک نہیں پگھلا۔ نیٹو اور یورپی یونین برسلز میں بیٹھ کر سربوں کے خلاف کاروائی کے نام پر مسلمانوں کا مذاق اڑارہے ہیں۔ دو روز قبل اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری کوفی عنان نے صاف طور پر کہدیا ہے کہ اقوام متحدہ کوسوو میں کوئی کردار ادا نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی اس قضیہ سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ اسکے بعد مسلمان اقوام متحدہ سے کس امن اور کس خیر کی توقع رکھینگے۔ "کنجروں کے اسکوٹھے" میں مسلمان کب تک بے زبانوں کیطرح بیٹھ کر

استراحت فرماتے رہیئے ؟۔ اسکے بعد بھی اگر مسلم حکمران ان سے خیر کی توقعات رکھتے ہیں تو ہم سمجھیں گے کہ یہ احمقوں کی جنت میں رہنے والی مخلوق ہے۔ نیٹو کئی سالوں سے سربوں کے خلاف کاروائی کی دھمکی دے رہا ہے۔ لیکن آج تک ایک گولی بھی نہیں چلائی گئی اور نہ ہی اس پر کسی قسم کی اقتصادی پابندیاں لگائی گئیں۔ نیٹو کا منافقانہ کردار مسلمانوں پر بوسنیا میں سرب جارحیت کے موقع پر آشکارا ہو چکا ہے۔ یورپ بھر میں مسلمانوں کی عزت اور عصمت و آبرو کے نگینے پاش پاش کیے جا رہے ہیں۔ جگہ جگہ ہماری مسلم مائیں اور بہنیں فٹ پاتوں پر بھیک مانگنے پر مجبور ہیں۔ لنڈن میں دوران سفر ٹرین میں ایک مسلم بوسنیائی لڑکی " خوشحال یورپ" کے باشندہ ہونے کے باوجود مسافروں سے بھیک مانگ رہی تھی۔ میں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک عیسائی سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے ؟۔ تو اس نے مجھے جواب دیا کہ یہ "سٹوپٹ" بوسنیائی مسلم ہے۔ اسلیے بھیک مانگ رہی ہے۔۔۔ اندازہ کیجئے کہ انسانی حقوق کے علمبرداروں کے دل میں کتنا احترام اور انسانیت کا جذبہ ہے ؟۔ خیر وہ تو اغیار ہیں ان سے کیا توقع رکھی جاسکتی ہے۔ خود عالم اسلام اس سارے قضیہ سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ وہ ان دنوں عمان میں اسلامی "دہشت گردی اور بنیاد پرستی" کے روکنے میں امریکہ اور مغرب اور یورپ کے تعاون پر سوچ رہے ہیں۔ انہیں کوسوو یا کشمیری نہتے شہریوں کے قتل عام سے کیا سروکار ؟۔ ہلال عید کے موقع پر ہمارے مسلم بہن بھائی برف پوش پہاڑوں میں مرگ انبوہ سے دوچار تھے اور ادھر عالم اسلام خوب خوب "عید سعید" کے مزے لوٹ رہے تھے۔ خون مسلم کی لالی کی شفق میں ڈوبا ہوا ہلال عید مسلمانوں اور عالم اسلام کو "مبارک"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ملاکنڈ میں نظام عدل کا نفاذ--- حقیقت یا افسانہ

مسلم لیگ کی حکومت سے نفاذ اسلام کی امید اور توقع رکھنا دیوانے کا خواب ہے۔ جو کبھی بھی پورا نہیں ہوگا۔ ع ایں خیال است و محال است و جنوں۔

قیام پاکستان سے لیکر اب تک کیے گئے نفاذ شریعت کے تمام وعدے صرف سراب ثابت ہوئے۔ ملاکنڈ کے غیور اور بہادر عوام عرصہ دراز سے خون جگر دے کر شریعت کے نفاذ کیلئے تاریخ ساز

جدو جہد کر رہے ہیں۔ کہ خدا کا قانون خدا کی زمین اور اسکے بندوں پر نافذ کر دو اور ہمیں کچھ بھی۔۔ نہیں چاہئیے، لیکن ان سے ہر بار حکومتیں فراڈ کرتی چلی آرہی ہیں کیونکہ قبائلی علاقہ جات میں اگر نفاذ اسلام کا تجربہ کامیاب ہوتا ہے تو فوراً ہی پورا ملک اسکی لپیٹ میں آئے گا۔ اور انکا فرسودہ نظام حکومت اور تخت اقتدار رخصت ہو جائے گا۔ اسی لیے تحریک نفاذ شریعت (ملاکنڈ) کے ہاتھ میں شریعت کی "لولی پاپ" دی جاتی رہی ہے اور ہر بار ان کی مخلص لیکن سادہ لوح قیادت بغیر سوچے سمجھے اور کسی سے صلاح و مشورہ کیے حکومتی اعلانات پر امنا وصدقنا کہتی رہی۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد انہیں حقیقت حال کا پتہ چلتا ہے اور یہ دوبارہ احتجاج کرتے ہیں۔ اب اس بار پھر نواز شریف اور اس کے حواریوں نے نفاذ شریعت کی تحریک سے خائف ہو کر نفاذ شریعت اور نظام عدل قائم کرنے کا مبہم اعلان کر دیا ہے۔ لیکن حکومت کی جانب سے طرح طرح کے اعلانات کے باوجود نفاذ شریعت کے پروانے اس بار ان کے دام زرین میں نہیں آرہے اور ان پر اسکی قلعی کھل گئی ہے۔ موجودہ نظام عدل اور شریعت پیج کے مطابق یہی جج چند ماہ کے کورس کے بعد قضاۃ کے مسند جلیلہ پر "فائز" ہونگے۔ اور ماشاء اللہ قرآن و سنت اور فقہی مسائل کی تشریح انہی کے خیالات کے مطابق ہوگی۔ جو اب تک انگریزی نظام کے امین اور علمبردار بنے ہوئے تھے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ زہر کو کتنا بھی چاندی ورق کے پردوں میں چھپایا جائے زہر زہر ہی رہے گا اور وہ قند و شکر کی صورت ہرگز اختیار نہیں کرے گا۔ موجودہ کرپٹ انتظامیہ اور راشی پولیس اور فرسودہ عدالتی نظام کے ہاتھوں میں نفاذ شریعت کی باگ دوڑ دینا کسے منظور ہو سکتا ہے؟

ع میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

حکومت نے احسان کرتے ہوئے علماء کو جج صاحبان کے ماتحت "سٹینو گرافر" کی طرح کام کرنے کا اعلان فرمایا ہے کہ علماء سے مشورہ بھی لیا جاسکے گا۔ یعنی ایک جید عالم فاضل جج کا تابع مہمل بن کر کام کرے گا۔۔۔ "لطف و احسان اور کرم نوازی" کا اس سے بڑھ کر مظاہرہ کیا ہوگا؟ انہی علماء کے پیشوروں امام اعظمؒ، ابو حنیفہؒ وغیرہ نے تو فاسق بادشاہوں کی طرف سے قاضی القضاۃ جیسے اہم عہدے ٹھکرا دیے تھے۔ تو بھلا ان کرپٹ راشی اور فاسق و فاجر انتظامیہ اور ججوں کے ہمراہ وہ کیا کام

کریں گے۔ اگر بالفرض یہ لوگ اس کرپٹ نظام میں داخل ہو بھی گئے تو کوئی خاطر خواہ تبدیلی بھی نہیں لا سکیں گے کیونکہ اصل اختیار تو ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ پھر حکومت کو اس بات کا موقع مل جائے گا کہ علماء اور نفاذ شریعت کا نظام بھی کچھ نہ کر سکا اور ویسے بھی نمک کی کان میں گرنے والا بالآخر خود نمک بن جاتا ہے۔ پھر قاضی کورٹس کے فیصلوں کے خلاف کوئی بھی مجرم ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں ان فیصلوں کے خلاف جاسکتا ہے۔ ماضی میں بھی ملاکنڈ میں ایک عدالت نے چور پر حد قائم کی لیکن ہائی کورٹ نے اس سزا کو کالعدم قرار دے دیا۔ ان تجربات کی روشنی میں یہ ایک افسانہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

حکومت نے ملک کے تمام مذہبی علماء، دینی مدارس اور اداروں سے اس سلسلہ میں کوئی مشورہ طلب نہیں کیا۔ جب تحریک نفاذ شریعت نے حکومتی مسودہ مسترد کر دیا تو اس کے بعد حکومت کے ہوش ٹھکانے آئے۔ اور وہ اب علماء کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ لیکن علماء اور دینی جماعتوں کو مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کے لیڈروں کا ایمان معلوم ہو چکا ہے۔ اس سے قبل موجودہ حکمرانوں نے چند ماہ پہلے شریعت بل کے نفاذ کا اعلان کیا تھا لیکن اس کیلئے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ نہ ہی سینٹ سے پاس کرانے کیلئے کوئی دباؤ ڈالا گیا اور نہ پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس طلب کیا گیا۔ یہ فقط ایک انتخابی وعدہ تھا جسے پورا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سارے حکومتی اقدامات تحریک طالبان کے اثرات پاکستان اور بالخصوص قبائلی علاقہ جات میں روکنے اور نہ پھیلنے کیلئے کیے جارہے ہیں۔ لیکن ان وقتی کاغذی اقدامات سے بڑھتے ہوئے اسلامی انقلاب کو نہیں روکا جاسکتا۔ خداوند پاکستانی قوم کو ان جھوٹے اور منافق حکمرانوں سے نجات دلائے۔ اور حقیقی معنوں میں نفاذ شریعت اس ملک کا مقدر بنادے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کیلئے خصوصی ایوارڈ

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی شخصیت عالم اسلام کا سرمایہ افتخار ہے۔ آپکی ہشت پہلو شخصیت کسی تعارف و تعریف کی محتاج نہیں۔ موجودہ عہد میں آپکی ذات عالم

اسلام کیلئے ایک سائباں کی مانند ہے۔ آپ نے عالم اسلام اور مسلمانوں کیلئے بے مثال، بے نظیر خدمات سرانجام دیں۔ مسلمانان عالم کے دلوں میں آپ کیلئے بے پناہ عقیدت و محبت پائی جاتی ہے۔ آپ کی شخصیت دنیاوی انعامات و اعزازات سے بلند تر ہے۔ مگر قدر شناس اور علم دوست حضرات نے ہر دور میں آپکی عظیم خدمات کا اعتراف اپنے لیے باعث عزت جانا ہے۔ ماضی میں سعودی بادشاہ شاہ فیصل مرحومؒ نے آپکو فیصل ایوارڈ پیش کیا تھا۔ اور اب رمضان المبارک میں امارات کی حکومت نے آپ کو ۱۹۹۸ء کی اسلامی شخصیت کا ایوارڈ دیا ہے۔ مولانا مدظلہ رمضان المبارک میں اکثر رائے بریلی (لکھنؤ) میں ہی قیام پزیر ہوتے ہیں۔ امارات کی حکومت نے جب آپ کے لئے ایوارڈ کا اعلان کیا اور ایک پروقار تقریب کا اہتمام کر ڈالا۔ جسمیں آپ کو اس میں شرکت کی خصوصی دعوت دی گئی تو آنجناب نے شکریہ کے ساتھ تقریب میں شرکت سے معذرت ظاہر کی۔ لیکن وہاں کی حکومت نے مولانا مدظلہ کیلئے خصوصی طور پر اپنا جہاز ہندوستان بھیجا اور یوں آپ امارات حکومت کے پرزور اصرار پر تشریف لے گئے۔ آپ کو ایوارڈ کے ساتھ بڑی انعامی رقم (مبلغ دس لاکھ درہم) بھی دی گئی۔ لیکن مولانا جیسی مستغنی شخصیت نے شان قلندرانہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمام رقم غریبوں اور اسلامی اداروں کیلئے وہیں وقف کر دی۔ اس سے قبل فیصل ایوارڈ کی بھاری رقم بھی مولانا مدظلہ نے مختلف فلاحی اداروں اور جہاد افغانستان کے لئے دی تھی۔ ہم مولانا مدظلہ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قدر شناسوں اور عظمتوں میں مزید اضافہ فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆
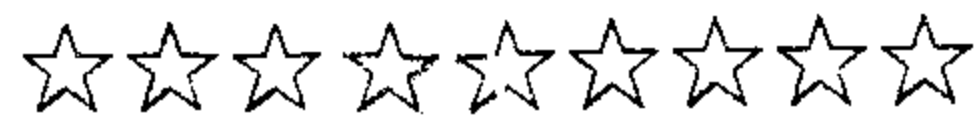
ازبکستان کی سرحد پر دارالعلوم حقانیہ کے طالب علم سمیت کئی بے گناہ طالب۔ علموں کی شہادت

گذشتہ دنوں ملک کے ایک بڑے اخبار روزنامہ اوصاف نے یہ حسرت ناک خبر شائع کی کہ ازبکستان میں دینی مدارس کے طلباء کو اپنے ملک میں داخل ہوتے ہوئے کمیونسٹ اور یہودی

درندوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان میں دار العلوم حقانیہ کے طالب علم کے ساتھ کراچی، لاہور کے مدارس کے طلباء بھی شامل تھے۔ جو حصول علم کے بعد اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے ان نہتے بے گناہ سٹوڈنٹس کا استقبال وطن کے "رکھوالوں" نے گولیوں سے کیا۔ ان معصوم شہید طلباء کا "جرم" یہ تھا کہ وہ قرآن وسنت کی تعلیم (باوجود حکومت کی پابندیوں کے) پاکستان میں حاصل کر کے واپس لوٹ رہے تھے۔ اور ان طلباء کی واپسی سے ازبکستان سمیت تمام وسط ایشیاء کے ممالک میں اسلامی اثر و نفوذ پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے نام نہاد مسلم ریاست کے حکمرانوں نے انہیں سرحد پر ہی مارنے کا سفاکانہ ودرندگانہ مظاہرہ کیا۔

دنیا بھر کی انسانی حقوق کی تنظیموں اور اقوام متحدہ نے اس بربریت پر کسی قسم کا احتجاج نہیں کیا۔ اس سے قبل گذشتہ سال افغانستان میں مزار شریف میں پاکستانی اور افغانی سٹوڈنٹس کو ہزاروں کی تعداد میں اجتماعی طور پر قتل کیا گیا تھا۔ اور کئی ہزار طلباء اب بھی شمالی علاقہ جات اور ایران میں قید ہیں۔ ان کے لئے بھی کوئی آواز نہیں اٹھائی گئی۔ امریکہ اور اقوام متحدہ چین کے سٹوڈنٹس پر چینی حکومت کے لاٹھی چارج پر بھی سیخ پا ہوتی ہے۔ اسی طرح انڈونیشا اور ملائیشیا میں بھی سٹوڈنٹس پر آنسو گیس کے گولے پھینکنے پر یہ حکومتیں بھرپور احتجاج کرتی ہیں۔ لیکن دینی مدارس کے سٹوڈنٹس کو دنیا بھر میں بے دریغ قتل کیا جارہا ہے لیکن ان کی نازک جبینوں پر معمولی شکن بھی نمودار نہیں ہوتی۔ آخر یہ تضاد کیوں ہے؟ شاید اس لیے کہ

ع کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اس لیے کہ امریکہ اور مغرب کو معلوم ہو چکا ہے کہ دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں۔ اور طلباء اور علماء ایٹم بمز سے بڑھ کر قوت ہیں۔ انہی کے دم خم سے اسلام قائم ودائم ہے۔ انہوں نے سپر طاقت روس کو شکست دی ہے۔ اس سے قبل سپر طاقت برطانیہ کے استعمار کا شکنجہ توڑا ہے۔ کشمیر میں آزادی حریت کی شمع جلائی ہے۔ انشاء اللہ صبح قیامت تک یہ مراکز علم ورشد قائم رہیں گے۔ اور ان سے اسلام کے پروانے اسلام کی روشنی یوں ہی پھیلانے نکلتے رہینگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شفیق الدین فاروقی

وفیات

مولانا محمد طاسینؒ کی وفات : گزشتہ ماہ ممتاز محقق، مذہبی سکالر محدث عصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے داماد اور مجلس علمی کے ڈائریکٹر مولانا طاسین صاحبؒ انتقال فرماگئے۔ مولانا ایک بہت بڑے محقق تھے۔ اور خصوصاً اسلام کے معاشی نظام اور اسلامی اقتصادیات کے حوالے سے ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے۔ مرحومؒ کئی علمی اور تحقیقی کتابوں کے مصنف ہونے کے علاوہ مجلس علمی کراچی کے روح رواں تھے۔"الحق" کے قارئین کو انہوں نے اپنے قیمتی گرانقدر مقالات اور علمی مضامین سے نوازا۔ اور گاہ بگاہ آپ کے مضامین "الحق" کی زینت بنتے۔ اللہ تعالیٰ مرحومؒ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور آپکے علمی باقیات سے امت کو مستفیض فرمائے (آمین)

مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب کو صدمہ : ۲۲۔رمضان المبارک کو دارالعلوم حقانیہ کے مدرس مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحب کے عمزاد بھائی اور بہنوئی جناب عبدالدیان صاحبؒ انتقال کر گئے۔ مرحومؒ انتہائی نیک، ہمدرد اور فلاحی اور دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے انسان تھے۔ نماز جنازہ میں حضرت مہتمم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نائب مہتمم مولانا انوارالحق صاحب مدظلہ، مولانا حامد الحق حقانی اور مدیر "الحق" مولانا راشد الحق حقانی کے علاوہ دیگر اساتذہ دارالعلوم حقانیہ اور علاقہ کے علماء اور صلحاء نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ دارالعلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ نے باوجود علالت نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین کے بعد حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے انتہائی نصیحت آموز اور درد انگیز خطاب فرمایا۔ ادارہ مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب کیساتھ تعزیت کرتا ہے اور قارئین سے بھی دعاؤں کی درخواست ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کے خصوصی معالج ڈاکٹر ارشاد صاحب کی رحلت

رمضان المبارک میں دارالعلوم حقانیہ کے انتہائی مخلص اور معاون جناب ڈاکٹر ارشاد صاحب مختصر علالت کے بعد انتقال فرماگئے (اناللہ وانا الیہ راجعون) مرحومؒ ڈینٹل سرجن تھے اور گزشتہ تیس

بتیس سال سے دار العلوم, حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے ساتھ ان کا بڑا گہرا تعلق تھا۔ اور اسلام آباد میں قومی اسمبلی کے اجلاسوں کے دوران جب مولانا رحمۃ اللہ علیہ مقیم ہوتے تو ڈاکٹر صاحبؒ اکثر پیشتر آپکی خدمت میں حاضری دیتے۔ کافی مدت سے حضرت شیخؒ اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے پورے خاندان کا علاج معالجہ کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔ ڈاکٹر صاحب جیسے مخلص، دیندار اور علماء کے ساتھ بے لوث محبت کرنے والے شاذ ونادر ہی ملتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب مرحومؒ ماہنامہ الحق کے بہت ہی پرانے قاری بھی تھے۔ دار العلوم حقانیہ اور قارئین "الحق" اس سانحہ فاجعہ پر مرحومؒ کے پسماندگان کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب مرحومؒ کو خصوصی رحمتوں سے نوازے (آمین)

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری کو صدمات : ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری کے ایک مکتوب گرامی سے آپکے جواں سال بھانجے اور داماد کے انتقال کی اطلاع ملی اور پھر اسکے بعد ان کے بڑے بھائی احمد حسین خان بھی اس عالم فانی سے کوچ کر گئے۔ ہم ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ان پے در پے حادثات پر دلی تعزیت کرتے ہیں۔ اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین سے نوازے اور ڈاکٹر صاحب اور انکے خاندان کے دیگر افراد کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

دار العلوم کے انتہائی مخلص جناب ملک ضیاء الدین صاحبؒ کی وفات :

گذشتہ ماہ دار العلوم کے پرانے معاون اور مددگار ملک ضیاء الدین صاحب سرگودھا میں انتقال فرما گئے۔ مرحومؒ "الحق" کے بہت ہی شیدائی اور اولین خریداروں میں سے تھے۔ ماہنامہ الحق کو عقیدت کی بناء پر ملتے ہی چوم لیتے اور کہتے کہ یہ مجلّہ دار العلوم حقانیہ سے آیا ہے۔ اس سے مرحومؒ کا دار العلوم حقانیہ کیساتھ عقیدت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح "الحق" کے ایک اور پرانے قاری سید مصباح الدین صاحبؒ پانی پتی بھی لاہور میں انتقال فرما گئے۔ ان دونوں مرحومین کیلئے قارئین "الحق" سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ ادارہ انکے پسماندگان کیساتھ تعزیت کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جناب ضیاء الدین لاہوری صاحب

سر سید علماء کشمکش اور انگریزی تعلیم

سر سید کے بارے میں ان کے مکتب فکر اور ایک مخصوص لابی نے ہمیشہ یہ جھوٹا پروپیگنڈہ پھیلا رکھا ہے کہ سر سید کے ساتھ علماء کو بغیر کسی حجت ودلیل اور کسی معقول وجہ کے ان کے ساتھ بغض تھا اور علماء نے انکے بارے میں کفر کے فتوے جاری کیے۔ اور سر سید کی بے جا مخالفت کی۔ جناب ضیاء الدین لاہوری صاحب کے اس اہم مضمون میں بہت سے اہم اور نئے حقائق منظر عام پر لائے گئے ہیں۔ مثلاً سر سید پر کفر کے فتوے اور ان کے مدرسے (مدرسۃ العلوم) کی مخالفت علماء سے قبل جدید تعلیمی یافتہ طبقے اور خصوصاً انگریزی حکومت کے نمک خواروں اور اس کے اہم عہدیداروں نے کی۔ ان میں سر فہرست ڈپٹی کلکٹر امداد العلی کان پور اور علی بخش سب جج گورکھ پور تھے۔ انہوں نے نہ صرف سر سید کے مدرسے کی بھرپور مخالفت کی بلکہ ان کے عقائد، نظریات کے متعلق سخت فتوے بھی جاری کیے اسی طرح سر سید کے خصوصی معاون نواب محسن الملک، اور نواب وقار الملک نے بھی انکی بھرپور مخالفت کی۔ لیکن ان تمام حقائق کو نظر انداز کر کے صرف علماء کو ہی ہمیشہ تنقید کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ قارئین "الحق" کے معلومات کیلئے یہ گرانقدر مضمون پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

سر سید احمد خان نے اپنی تصنیفی زندگی کی ابتداء میں متعدد دینی رسائل تصنیف کئے جنہیں مخصوص حلقوں میں قبول عام کا درجہ حاصل ہوا۔ انیسویں صدی کے ساتویں عشرے کے شروع میں جب ان کی مذہب سے متعلق جدید نظریات پر مبنی تحریریں منظر عام پر آئیں تو علماء ان کے مخالف ہوگئے اور ان کی تحریروں کے رد میں رسائل شائع ہونے لگے۔ جب انہوں نے رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا اور ان کی سرپرستی میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تو ان کی مخالفت عروج پر جا پہنچی۔ ان کے خلاف کفر کے فتوے جاری ہوئے اور وہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک متنازعہ فیہ شخصیت بن گئے۔ بحث مباحث کا یہ سلسلہ مدرسۃ العلوم کے قیام کے بعد بھی کافی عرصہ جاری رہا۔ زمانہ کروٹ لے چکا تھا لہذا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مخالفتوں کے طوفان کم ہوتے گئے۔ ایک نسل ختم ہوئی اور دوسری نے جنم لیا۔ جب وہ جوان ہوئی تو گذشتہ

واقعات کے پس منظر سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو چکی تھیں ،یا کر دی گئی تھیں۔ انگریزوں اور ان کے کارندوں کا تعلیمی نصاب جو کچھ سکھاتا رہا ، ہم اسے من وعن قبول کرتے رہے اور خود کبھی تحقیق کی زحمت گوارا نہ کی۔ نتیجتاً حقائق مسخ ہو کر رہ گئے۔

سر سید اور علماء میں باہمی کشمکش کا اصل پس منظر کیا تھا ؟ تعلیم کے معاملے میں سر سید کی جدت پسندی ، علماء کی انگریزی تعلیم سے نفرت ، انگریزی حکومت کے استحکام کے لئے سر سید کی کوششیں یا کچھ اور ؟ اس بارے میں معروف ماہر تعلیم سید عبداللہ تحریر کرتے ہیں :

" تعلیم میں سر سید کے خیالات تجدد کی ہمہ گیر شہرت کے باوجود کچھ زیادہ جدید نہ تھے۔ سائنس کی ترغیب اور انگریزی زبان کی تعلیم اگرچہ اس زمانے کے اعتبار سے بڑے انقلاب انگیز خیالات تھے مگر حق یہ ہے کہ وہ تعلیم کے معاملے میں اتنے انقلابی نہ تھے جتنا ان کو سمجھ لیا گیا ہے۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سر سید انگریزی تعلیم پھیلانا چاہتے تھے اور ملک کے بعض دوسرے عناصر خصوصاً علماء ، انگریزی تعلیم کو مذہباً ناجائز سمجھتے تھے مگر یہ رائے منصفانہ نہیں۔ انصاف یہ ہے کہ اس معاملے میں علماء کو اختلاف سر سید کے مذہبی عقائد سے یا پھر انگریزی تمدن سے تھا۔ ان کو انگریزی تعلیم سے اختلاف نہ تھا، لیکن چونکہ سر سید انگریزی تعلیم پھیلانے والے تھے اس لئے یہ معاملہ الجھ کر رہ گیا اور بہت سے مغالطے پیدا ہو گئے "۔

مشہور مصنف شیخ محمد اکرام نے بھی اس سوال کے جواب میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اپنی تحقیق کا لُب لُباب یوں بیان کرتے ہیں :"" اس معمہ کے حل کرنے کے لئے ان مضامین اور فتاویٰ کا مطالعہ کرنا چاہیے جو سر سید کی مخالفت اور ان کی تکفیر میں شائع ہوئے۔ ان کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ علی گڑھ کالج کی مخالفت اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ وہاں مغربی علوم پڑھائے جاتے تھے بلکہ اس لئے کہ اس کی بنا میں سر سید کا ہاتھ تھا اور سر سید اپنی کتب اور تہذیب الاخلاق میں معاشرتی اور مذہبی مسائل کے متعلق ایسے عقائد کا اظہار کر رہے تھے جنہیں عام مسلمان اسلام کے خلاف سمجھتے تھے۔ علی گڑھ کالج کے متعلق سے سخت مضامین اور درشت سے درشت فتاویٰ میں یہ نہیں لکھا کہ انگریزی پڑھنا کفر ہے ، بلکہ یہی ہوتا تھا کہ جس شخص کے عقائد

سر سید جیسے ہوں وہ مسلمان نہیں اور جو مدرسہ ایسا شخص قائم کرنا چاہے اس کی اعانت جائز نہیں۔
شروع شروع میں لوگوں کا خیال تھا کہ سر سید اپنے مدرسے میں اپنے عقائد کی تبلیغ کریں گے جن کا اظہار وہ اپنے رسائل و کتب میں کر رہے تھے۔ سر سید نے ایسا نہیں کیا لیکن ان کی تصانیف میں کئی ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے مخالف بلکہ موافق بھی بد ظن ہو جاتے تھے۔ "سر سید مختلف ادوار میں مختلف عقائد کے حامل رہے۔ اپنی ایک تحریر میں پہلے وہ اس زمانے کی بات کرتے ہیں جب "لوگوں کی دیکھا دیکھی مولود کی مجلس کا دل میں بڑا شوق تھا، ہر مہینے کی دوازدہم کو لوگ جمع ہوتے تھے، سوا لاکھ دفعہ چھوہارے کی گھٹلیوں پر درود پڑھا جاتا تھا اور ختم کے بعد شرینی بٹتی تھی اور ہم لوگ بہت نیک اور محبّ رسول ﷺ سمجھتے تھے حالانکہ اس زمانہ میں ہم نے نہ رسول ﷺ کو سمجھا تھا اور نہ رسول ﷺ کی محبت کو"۔ پھر وہ زمانہ بھی آیا جب سر سید کے بقول :
"مذہبی مسائل میں زیادہ تر پختگی ہوئی اور ان عقائد کی جانب میلان ہوا جس کو وہابیت کہتے ہیں تو مجلس مولود کو بدعت سمجھا"۔ آخری دور کا ذکر کرتے ہوئے وہ تحریر کرتے ہیں کہ "اب شاید معتزلیت زیادہ چڑ گئی ہے جو یہ خیال ہے کہ ایک کے فعل کا، خواہ وہ اس قسم سے ہو جس کو عبادت بدنی کہتے ہیں اور خواہ اس قسم سے ہو جس کو عبادت مالی کہتے ہیں، دوسرے پر خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ کچھ اثر نہیں ہوتا۔ قرآن و فاتحہ پڑھ کر ثواب بخشنا یا ملّانوں کو بغرض ایصال ثواب کھانا کھلانا بالکل لاحاصل محض اور بہ ہمہ وجوہ ہندوؤں کے اس فعل کے مشابہ ہے جو اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچانے کے لئے برہموں سے کتھا اور منتر پڑھواتے ہیں اور برہموں کو جماتے ہیں اور گیا و پراگ میں جا کر پنڈ دان کرتے ہیں۔

"سر سید کے مذہبی خیالات میں جدید رجحانات کا پہلا عکس ہمیں ان کی تصنیف "تبیین الکلام فی تفسیر التورات والانجیل" میں ملتا ہے۔ اس کے متعلق وہ خود رقم طراز ہیں کہ "میری تفسیر پڑھنے والا جا بجا میری تفسیر میں پائے گا کہ میں کچھ پابند نہیں رہا ہوں ان قولوں کا جن کو یہودی عالم یا عیسائی عالم یا مسلمان عالم بلا تحقیقات بطور باپ دادا کے تبرک کے مانتے چلے آئے ہیں۔" اس کے بعد جب انہوں نے "احکام طعام اہل کتاب" لکھی اور اس میں ذبیحہ کے متعلق اس قسم کے

خیالات کا اظہار کیا کہ "اگر اہل کتاب کسی جانور کی گردن توڑ کر مار ڈالنا یا سر پھاڑ کر مار ڈالنا کُوۃ سمجھتے ہوں تو ہم مسلمانوں کو اس کا کھانا درست ہے" تو مسلمان ان کے سخت خلاف ہو گئے۔ سر سید نے ان خیالات کا نہ صرف اظہار ہی کیا بلکہ سفر لندن کے حالات میں ان پر عمل کرنے کا دعویٰ بھی کیا اور جھٹکے اور گردن توڑ کر مارے گئے پرند جانوروں کے گوشت کے بارے میں یہ لکھا کہ "میں نے اور ہمارے ساتھیوں نے ان دونوں قسم کے گوشتوں کے کھانے میں کچھ تامل نہیں کیا اور خوب مزے دار گوشت، مٹن (Mutton) اور بیف (Beef) اور مُرغ و کبوتر کے کھائے" تو ان کے خلاف سخت ناراضگی پھیل گئی اور ان کے اس عمل کو ان کے کافر ہو جانے کا ثبوت قرار دیا گیا۔

بعد ازاں "خطبات الاحمدیہ" کی تصنیف کے دوران میں لندن سے اپنے عزیز ترین دوست نواب محسن الملک کو خط لکھتے ہوئے اس کے متعلق خود یہ پیش گوئی کی :

"میرے ہم قوم اس محنت کی، جو میں نے اس کتاب کی تصنیف میں کی ہے، قدر نہیں کریں گے بلکہ نہایت الزام دیں گے اور کافر بتلائیں گے کیونکہ میں پابند تقلید نہیں رہا ہوں اور شاید دو یا تین مسئلوں میں جمہور سے اختلاف کیا ہے اور چند علماء کی رائے سے اتفاق کیا ہے"۔

لندن سے واپسی پر انہوں نے دو بڑے کام کئے۔ پہلا "تہذیب الاخلاق" کا اجراء اور دوسرا مدرسۃ العلوم مسلمانان کی تجویز کو عملی جامہ پہنانا۔ "تہذیب الاخلاق" میں ان کے مضامین "جمہور سے اختلاف" کا سب سے بڑا ذریعہ بنے اور اس کے بعد وہ عمر بھر ان خیالات کی اشاعت میں مصروف رہے۔ شیخ محمد اکرامؒ نے اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا :

"ان کی سب سے زیادہ مخالفت اس وقت ہوئی جب انہوں نے تہذیب الاخلاق جاری کیا اور ان مذہبی عقائد کا اظہار کیا جنہیں عام مسلمان تعلیم اسلامی کے خلاف اور ملحدانہ سمجھتے تھے، مثلاً شیطان، اجنّہ اور ملائک کے وجود سے انکار، حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ کے پیدا ہونے یا زندہ آسمان پر جانے سے انکار، حضرت عیسیٰؑ و حضرت موسیٰؑ کے معجزات سے انکار وغیرہ وغیرہ۔ سر سید نے اپنے وقت کا بڑا حصہ ان عقائد و خیالات کی تفصیل میں صرف کیا ہے۔" مولانا حالیؔ نے "حیات جاوید" میں ان مسائل کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے جن میں سر سید نے علماء سلف سے

اختلاف کیا ہے۔ یہ فہرست کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں جہاں انبیاء کرام کے معجزات کا ذکر ہے، وہ تحریر کرتے ہیں : " حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور تمام انبیاء سابقین کے قصوں میں جس قدر واقعات بظاہر خلاف قانون فطرت معلوم ہوتے ہیں جیسے ید بیضا، عصا کا اژدھا بن جانا، فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا، خدا کا موسیٰ سے کلام کرنا، پہاڑ پر تجلی کا ہونا، گوسالہ سامری کا بولنا، ابر کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کا اترنا یا عیسیٰ کا گہوارہ میں بولنا، خلق طیر، اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، مائدہ کا نزول وغیرہ وغیرہ، ان کی تفسیر میں جو کچھ سر سید نے لکھا ہے وہ غالباً پہلے کسی مفسر نے نہیں لکھا۔" سر سید نے مندرجہ بالا عقائد کا اظہار ایک صدی قبل کیا۔ ٹھنڈے دل سے سوچنے کا مقام ہے کہ روشن خیالی کے موجودہ دور میں بھی جب کہ اس خطہ زمین کے مسلمان مغربی علوم کی دولت سے مالا مال ہیں، اگر ان خیالات کا اظہار کیا جائے تو اس پر کیا ردعمل ہو سکتا ہے ؟ لہذا سر سید کے زمانے میں ان کی مخالفت ایک فطری امر تھا۔ سید عبداللہ کے مطابق " مجموعی لحاظ سے سر سید کے نام سے کوئی جماعت یا فرقہ منسوب نہیں مگر ان کا دینی نظریہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف اسلامی فرقوں کے عقائد کا جزو بن گیا ہے چنانچہ ان کے بہت سے خیالات جدید مدرسہ ہائے فکر خصوصاً احمدیت اور اہل قرآن وغیرہ کے نظام میں جگہ پا چکے ہیں"۔ اس بارے میں شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں : " مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ کی تفسیر قرآن بیشتر سر سید ہی کی ترجمانی ہے۔ حضرت عیسیٰ کے متعلق سر سید کے جو عقائد تھے وہ مرزا غلام احمد نے اختیار کر لئے۔" مخالفین کے ذکر سے قطع نظر خود سر سید کے دست راست نواب محسن الملک کی مخالفت کا حال ان ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے : " یہ سچ ہے کہ ہمارے مسلمہ عقائد سے وہ اختلاف رکھتے تھے اور اس اختلاف کو انہوں نے شدومد کے ساتھ ظاہر بھی کر دیا جس کی وجہ سے تمام مسلمان اور اکثر علماء کو ان کے اسلام پر قائم رہنے میں شبہ تھا اور بعض نے یہاں تک کہ کفر کے فتوے بھی دے دیئے اور ان کو کیا کہوں، خود مجھ کو بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف کرنا پڑا، بحث و مباحثے رہے۔" اسکے علاوہ ایک اور لیکچر میں انہوں نے بیان کیا : " شاید سب سے پہلے میں نے ہی انکے کفر کا فتویٰ دیا تھا، ان کو چھپا پادری کہا"۔ مولانا حالی سر سید کے اتنے عظیم معتقد تھے کہ

جب انہوں نے سر سید کی سوانح "حیات جاوید" کے نام سے لکھی تو شبلی نعمانی نے اسے "مدلل مداحی" قرار دیا۔ اور دیگر نقادوں نے بھی اس کتاب میں موافقانہ مبالغہ آرائی کی شکایت کی۔ سر سید سے زبردست عقیدت کے باوجود مولانا حالی نے خود کئی مقامات پر ان سے اختلاف کیا ہے۔ اس اختلاف اور عقیدت کا ملا جلا اظہار ان کے مندرجہ ذیل بیان سے بخوبی ہوتا ہے جس میں انہوں نے سر سید کی تفسیر القرآن کے متعلق رائے دی ہے کہ "سر سید نے اس تفسیر میں جابجا ٹھوکریں کھائی ہیں اور بعض بعض مقامات پر ان سے نہایت رکیک لغزشیں ہوئی ہیں، بایں ہمہ اس تفسیر کو ہم ان کی مذہبی خدمات میں ایک نہایت جلیل القدر خدمت سمجھتے ہیں "۔ اسی انداز میں ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں: " بہت سے مقامات ان کی تفسیر میں ایسے بھی موجود ہیں جن کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ایسے عالی دماغ شخص کو کیونکر ایسی تاویلات باردہ پر اطمینان ہو گیا اور کیونکر ایسی فاحش غلطیاں ان کے قلم سے سرزد ہوئی ہیں"۔ ایک اور موقع پر بیان کرتے ہیں: "آخر عمر میں سر سید کی خودرائی یا جوثوق کہ ان کو اپنی رایوں پر تھا وہ حد اعتدال سے متجاوز ہو گیا تھا۔ بعض آیات قرآنی کے وہ ایسے معنی بیان کرتے تھے جن کو سن کر تعجب ہوتا تھا کہ کیونکر ایسا عالی دماغ آدمی ان کمزور اور بودی تاویلوں کو صحیح سمجھتا ہے۔ ہر چند کہ ان کے دوست ان تاویلوں پر ہنستے تھے مگر وہ کس طرح اپنی رائے سے رجوع نہ کرتے تھے"۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی سر سید کے بہترین رفقائے کار میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ علی گڑھ تحریک کا ایک ستون تھے۔ سر سید نے کئی موقعوں پر ان کی شاندار الفاظ میں تعریف کی ہے۔ سر سید کے ہم سوار ہونے کے باعث مخالف اخباروں میں انہیں "نیچری بھانڈ" کا خطاب دیا گیا اور سر سید کے مخالفین سے لاہور کی عدالتوں میں ان کی مقدمہ بازی بھی ہوتی رہی۔ انہوں نے خود قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی ہے۔ سر سید کی تفسیر پر وہ ان الفاظ میں رائے زنی کرتے ہیں: "مجھ کو ان کے معتقدات باسرہا تسلیم نہیں۔ سید احمد خان صاحب کی تفسیر ایک دوست کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میرے نزدیک وہ تفسیر "دیوان حافظ" کی ان شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے چوتڑوں سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتاب تصوف بنانا چاہا۔ جو معانی سید احمد خاں صاحب نے منطوق آیات قرآنی سے اپنے پندار میں استنبا

کئے (اور میرے نزدیک زبردستی مڑھے اور چپکائے)' قرآن کے منزل من اللہ ہونی سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کو ماننا مشکل...... یہ وہ معانی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہوا، نہ جبریل حامل وحی کا' نہ رسول خدا کا' نہ قرآن کے کاتب و مدون کا' نہ اصحاب کا' نہ تابعین کا' نہ تبع تابعین کا' نہ جمہور مسلمین کا'"۔ جب مدرسۃ العلوم کے لئے سر سید کی نظر انتخاب شبلی نعمانی پر پڑی تو ان کی شرکت علی گڑھ کی تعلیمی و علمی سرگرمیوں میں نمایاں اضافہ کا باعث ہوئی۔ ان دو شخصیتوں کی طویل رفاقت بھی ان کے مابین فکری اختلاف کو کم نہ کر سکی۔ اس کا ذکر خود شبلی نے سر سید کی وفات پر ایک مضمون میں کیا اور لکھا : "زمانہ جانتا ہے کہ مجھ کو سر سید کے مذہبی مسائل سے سخت اختلاف تھا اور میں ان کے بہت سے عقائد و خیالات کو بالکل غلط سمجھتا تھا۔"

سر سید کے ایک قریبی دوست اور رفیق نواب وقار الملک بھی ان سے اپنے مذہبی اختلاف کا اظہار کئے بغیر نہ رہتے تھے۔ سر سید نے ان کے نام کسی خط میں اس قسم کا تاثر دیا کہ فقہ حنفیہ کی کتابوں میں سراسر ہی حیلہ بھرا پڑا ہے۔ جواب میں انہوں نے نہایت سخت رد عمل کا اظہار کیا اور کہا : "فقہ حنفیہ کی وہ کتابیں جن میں سراسر حیلہ ہی بھرا پڑا ہے، میں نے نہیں پڑھیں۔ پس مجھے اس کا طعنہ فضول ہے۔ اور آج کل اس غریب فقہ کا حلیہ کس شمار قطار میں ہے جہاں قانون میں ایسی ایسی باریکیاں موجود ہوں اور مقنیان زمانہ میں ایسے ایسے عالی دماغ ہوں...... اگر آپ کے خط میں امام ابو حنیفہؒ پر طعن و تشنیع نہ ہوتی اور آپ ان کو ضمناً حیلہ باز نہ کہتے تو میں اس خاص جملے کے جواب ہی کو قلم انداز کر جاتا لیکن اس بات کی آپ مجھ سے توقع چھوڑ دیں کہ میں اپنے ان پیشوایان دین پر، جنھوں نے نہایت نیک نیتی سے آپ ہی کی مانند اپنی تمام عمر اُمت اسلامیہ کی درستی احوال میں صرف کی ہو، تبرا سننے پر راضی ہوں۔" تہذیب الاخلاق کے مضامین مدرسۃ العلوم کے قیام میں کیا منفی اثر ڈال رہے تھے، اس کا پتہ نواب وقار الملک کے اس خط سے ملتا ہے جو انہوں نے علی گڑھ سے سر سید کے نام ۱۲ اگست ۱۸۷۲ء کو لکھا۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے : "یہاں کے لوگوں کی رائے سے میں آپ کو صحیح صحیح اطلاق دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس مدسہ کی طرف سے تو اس وقت تک کسی کو شکایت نہیں ہے، ہاں، تہذیب الاخلاق کے مضامین تازہ کے سبب سے البتہ

لوگوں کو ایک بد گمانی ہے۔ لیکن وہ بد گمانی آپ کی ذات کے ساتھ ہے، نہ اس مدرسہ کی نسبت...... جب تک اس مدرسہ کے لئے پورا چندہ نہ ہو جائے تب تک تہذیب الاخلاق کے لئے بے لگام مضمونوں کی فی الجملہ روک تھام ضروری ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ مضامین ایک قومی مزاحمت کرتے ہیں اس چندہ کے واسطے اور کیا آپ کو ایسے مضامین کے سوا اور کچھ مضمون ہی نہیں ملتا؟"۔ بعد میں سر سید نے خود ایک تقریر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا اور کہا : "جس زمانہ میں اس کالج کی تدبیریں شروع ہوئیں تو ہر جگہ کے لوگوں نے اس کو پسند کیا اور ہر ملک سے اس کی تائید ہوئی اور ہوتی چلتی جاتی ہے مگر بعض مذہبی مسائل جو میں نے بیان کئے ان کے لحاظ سے البتہ لوگوں کو کچھ کچھ شبہ ہوا اور فتور پڑا"۔ شروع شروع میں جب یہ شبہات بڑھے تو بد گمانیوں نے جنم لیا جو آہستہ آہستہ صریح مخالفت میں تبدیل ہوتی گئیں۔ مولانا حالی ان کی توضیع کرتے لکھتے ہیں : " ایک مدت تک سر سید کی نسبت لوگوں کو طرح طرح کی بد گمانیاں رہیں۔ ہزاروں آدمی یہ سمجھتے تھے کہ انگریزی تعلیم کی اشاعت سے مسلمانوں کو عیسائی یا لا مذہب بنانا منظور ہے اور ہزاروں یہ خیال کرتے تھے کہ مدرسہ قوم کے فائدہ کے لئے قائم نہیں کیا گیا بلکہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ انگریزی سلطنت کو زیادہ استحکام ہو۔ اگرچہ اس خیال کا دوسرا جز صحیح تھا مگر پہلا جز اس لئے غلط تھا کہ حالت موجودہ میں مسلمانوں کی قومی زندگی اسی بات پر موقوف ہے کہ انگریزی سلطنت کو زیادہ استحکام ہو "۔ پہلی بد گمانی غالباً عوام کے ذہنوں میں دہلی کالج کے استاد ماسٹر رام چندر کے عیسائی ہونے کے واقعہ کے موجود ہونے کی بناء پر ہوگی جو ۱۸۵۲ء میں پیش آیا تھا۔ پھر علوم جدیدہ حاصل کرنے والوں کا وہ رویہ بھی ان کے پیش نظر ہوگا جس کا ذکر خود سر سید اپنی ایک تحریر میں اس طرح کرتے ہیں : "اب تو گویا بالاتفاق تمام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے اور علوم جدیدہ کے سیکھنے سے مسلمان اپنے عقائد مذہبی میں سست ہو جاتے ہیں بلکہ ان کو لغو سمجھنے لگتے ہیں اور لا مذہب ہو جاتے ہیں اور اسی سبب سے مسلمان اپنے لڑکوں کو انگریزی پڑھانا نہیں چاہتے۔ مسلمانوں پر کیا موقوف ہے 'انگریز بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں، چنانچہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں جو حال میں انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی

ہت لکھی ہے، یہ فقرہ مندرجہ فرمایا ہے: "کوئی نوجوان، خواہ ہندو خواہ مسلمان، ایسا نہیں ہے جو مارے انگریزی مدرسوں میں تعلیم پائے اور اپنے بزرگوں کے مذہب سے بد اعتقاد ہو نا نہ سیکھے۔ یشیا کے شاداب اور ترو تازہ مذہب جب مغربی (یعنی انگریزی) علوم کی سچائی کے قریب آتے ہیں، و مثل برف کے ہے تو سوکھ کر لکڑی ہو جاتے ہیں"۔ آمنا و صدقنا' یہ قول ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا لکل سچ اور بتمامہ سچ ہے"۔ دوسری "بدگمانی" کے متعلق یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ سر سید کی الفت میں وہ علماء پیش پیش ہوں گے جو انگریزی سلطنت کا استحکام نہیں چاہتے تھے۔ شیخ محمد اکرم ں خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "جن لوگوں نے سر سید کے حالات بغور نہیں پڑھے وہ سمجھتے ہیں کہ سر سید کی مخالفت ان دقیانوسی علماء نے کی جو ہندوستان کو دار الحرب سمجھتے تھے اور ر کار انگلشیہ اور انگریزی تعلیم کے مخالف تھے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ مدرسۃ العلوم کے سب سے بڑے مخالف دو بزرگ تھے اور دونوں معزز سرکاری ملازم"۔ مولانا حالی ان کا تعارف ن الفاظ میں کرواتے ہیں: " مدرسۃ العلوم کے سب سے بڑے مخالف دو بزرگ تھے جو باوجود ذی جاہت اور ذی رعب ہونے کے علوم دینیہ سے بھی آشنا تھے، ایک مولوی امداد العلی ڈپٹی کلکٹر کان ر اور دوسرے مولوی علی بخش خاں سب جج گورکھ پور۔ اگرچہ یہ دونوں صاحب مذہبی عقائد خیال کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ضد حقیقی تھے، یعنی پہلے سخت وہابی اور دوسرے سخت بدعتی، ر یہ ایسا اختلاف تھا کہ کسی بات پر دونوں کا اتفاق کرنا محال عادی معلوم ہوتا تھا۔ باوجود اس کے درسۃ العلوم کی مخالفت پر دونوں ہم زبان اور متفق الکلمہ تھے، یہاں تک کہ ہندوستان میں جس قدر خالفتیں اطراف وجوانب سے ہوئیں ان کا منبع ان ہی دونوں صاحبوں کی تحریریں تھیں۔"

ن میں سے پہلے بزرگ کے متعلق ان کے خیالات سر سید کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

"مولوی سید امداد العلی خاں بہادر، جو فضل الٰہی سے ہماری قوم میں ایک بہت بڑے اعلیٰ فسر و رئیس ہیں اور ہمارے بہت بڑے شفیق دوست ہیں، مدرسۃ العلوم میں ان کے شریک نہ ہونے سے ہم کو نہایت رنج ہے اور نیز قوم کی بھلائی میں نقصان ہے اور ہم جب ان سے ملتے ہیں مدرسۃ لعلوم میں شریک ہونے کی التجاء کرتے ہیں۔ دربار دہلی میں بھی ہم نے ان سے التجا کی۔ انہوں نے

فرمایا کہ دو شرط سے ہم شریک ہوں گے : اول یہ کہ "تہذیب الاخلاق" کا چھاپنا بند کر دیا اس میں کوئی مضمون متعلق مذہب مت لکھو۔ دوسرے یہ کہ اپنے عقائد و اقوال سے جو بر خلاف علماء متقدمین ہیں، توبہ کرو۔" دوسرے بزرگ بھی سر سید کی ذات یا انگریزی تعلیم سے نہیں بلکہ ان کے مذہبی خیالات سے بے زاری کا اظہار کرتے ہیں۔ مولوی علی بخش خاں نواب محسن الملک کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں : "مجھ کو اس وقت بلکہ مدت سے سخت افسوس ہے کہ ہماری قوم میں سید احمد خاں صاحب ایک شخص لائق اور نامور اور معزز اور ذی عقل پیدا ہوئے اور ترقی قومی پر آمادہ ہونا ان کا ارادہ ظاہر کیا گیا مگر اپنی خود رائی سے مذہبی دست اندازی و انقلاب دین ایسا ان کی طبیعت میں جم گیا کہ اصلی غرض فوت ہو گئی اور تمام قوم کو ان سے نفرت پیدا ہوئی ہے۔ مجھ کو بھی جس قدر مخالفت ہے ان کے خیالات مذہبی سے ہے، نہ ان کی ذات خاص یا تعلیم علوم جدیدہ سے "۔

نواب وقار الملک نے ایک موقع پر مدرسۃ العلوم کے بارے میں مولوی علی بخش خاں کی معترفانہ گفتگو کا جو خلاصہ بیان کیا ہے اس کے مطابق مولوی صاحب نے یہ بیان کیا کہ "میں صرف اس وجہ سے اب تک مدرسۃ العلوم میں شریک نہیں ہوا کہ مجھ کو اس کے طالب علموں کی مذہبی تعلیم کی طرف سے کبھی اطمینان نہیں ہوا اور ہمیشہ اس بات کا خوف رہا کہ جس قسم کے عقائد سید احمد خاں صاحب کے ہیں ویسے عقائد کی تعلیم اس مدرسہ میں طالب علموں کو بھی ہو گی"۔ اس بحث میں نواب وقار الملک نے سر سید کے بعض رفقائے کار کے رویے کا جو ذکر کیا اس سے متذکرہ صورتحال پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ "کمیٹی خزنۃ البضاعۃ میں ایسے ایسے ممبر بھی ہیں جو شاید سید احمد خاں صاحب کے ہاتھ کا چھوا ہوا پانی بھی نہ پیئں اور آج تک انہوں نے ہمیشہ سید احمد خاں صاحب کی باتوں کو محض لغو سمجھا ہے اور کبھی ان کی بات کا جواب تک نہیں دیا "۔

یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیا سر سید کے مخالف علماء سرکار انگریزی کے "استحکام" کے خلاف تھے یا حامی، کیونکہ سرکاری ملازمت میں رہ کر بھی اندرونی طور پر حکومت کا مخالف ہوا جا سکتا ہے۔ سر سید اپنے مضامین میں "قومی ہمدردی" اور "قومی عزت" کے الفاظ اکثر استعمال کیا کرتے تھے۔ پہلے بزرگ یعنی سید امداد العلی کو انہوں نے ان باتوں کا مخالف قرار دیا۔ اس کی تردید میں سید امداد العلی

ثبوت کے طور پر اپنی "خیر خواہی سرکار" کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں: "جس خیر خواہ سرکار کی نسبت یہ سی ایس آئی سید احمد خاں یہ ظن رکھتا ہے کہ وہ ہمدردی کو کفر خیال کرتا ہے، اس تحریر کا محاکمہ میں حکام وقت اور جملہ مسلمانان واہل ہنود پر چھوڑتا ہوں کہ آیا جو شخص سینہ سپر ہو کر' بظر نمک حلالی اپنے آقا کے، سینہ پر گولی باغیوں کی کھائے اور ہزار ہا روپیہ کا مال ان سے چھڑائے اور وہ گولی چھ مہینے بعد ڈاکٹر رے صاحب بہادر نکالیں کہ جس کا خون مسٹر لو صاحب، داماد جناب لیفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر اور جینٹ صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ متھرا پونچھتے جائیں اور اس گولی کا نشان تصدیق ایک تمغہ ہمدردی اور نمک حلالی ملکہ معظمہ کا جس بہادر کے سینہ پر موجود ہو تو انصاف فرمایا جائے کہ کیا وہ شخص ہمدردی کو کفر سمجھنے والا ہو سکتا ہے یا کہ جو اس کو ایسا لفظ کہے اور طعن دے، بے شک ایسا ہی شخص تمام دنیا کا جھوٹا، مفسد، حاسد اور خبیث النفس ہے"۔

"قومی عزت" کا یہ تمغہ حاصل کرنے والے سید امداد العلی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران میں انگریزوں کی حمایت میں اپنے ہم وطنوں کی گولی کھا کر زخمی ہوئے تھے۔ جاں نثاری کے اس عملی ثبوت کے بعد انہیں انگریزی حکومت کا مخالف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خود سر سید نے ایک تقریر میں بادشاہ وقت کی اطاعت کو فرض اور بزرگان دین کی تقلید بتاتے ہوئے ان کا تذکرہ طنزیہ انداز میں یوں کیا: "ہمارے دوست مولوی امداد العلی صاحب کے افعال بھی یہی ہیں۔ ایام عذر میں انہوں نے بہت کچھ خیر خواہی انگریزی گورنمنٹ کی کی ہے۔ میوٹنی میڈل (Mutiny Medal) جس میں جناب ملکہ معظمہ وکٹوریا کی تصویر ہے ان کو ملا ہے۔ اس کو پہنتے ہیں اور نہایت فخر کرتے ہیں۔ ہر ایک انگریز سے نہایت عاجزی سے پیش آتے ہیں اور کبھی نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر صاحب کی مجلس میں ہوتے ہیں تو اپنا دل اور اپنی آنکھیں فرش راہ کرتے ہیں"۔

ان ہی بزرگ نے ہندوستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء سے سر سید کے خلاف تکفیر کے فتوے حاصل کر کے رسالہ "امداد الافاق برجم اہل النفاق، بجواب پرچہ تہذیب الاخلاق" کے آخر میں شائع کئے اور لکھا کہ "ہم اس کے مجوزہ خیالی مدرسہ کے لئے چندہ دینا اب معصیت قرار دیتے ہیں اور ساتھ مواہیر متعدد علماء کے فتویٰ جاری کرتے ہیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ مذہب جب تک

نیچر کے مطابق نہ ہو صحیح نہیں ہوتا اور ہمارا مروجہ اسلام غلط خیالات اجماع اور خطائی اجتہادات سے مملو ہے اور کہ احادیث و تفاسیر میں کوئی حدیث یا تفسیر بقول اس سی ایس آئی سید احمد خاں کے ہرگز درست نہیں ہے، ہم اس کو ٹھیک کافر جانتے ہیں ساتھ کاف، الف، فے اور رے موٹی کے یعنی کافر۔" مولانا حالی ان فتووں کے مطالعہ کے بعد وضاحت کرتے ہیں :

"مسلمانوں کے جتنے فرقے ہندوستان میں ہیں کیا سنی کیا شیعہ کیا مقلد کیا غیر مقلد کیا وہابی کیا بدعتی سب فرقوں کے مشہور اور غیر مشہور عالموں اور مولویوں کی ان فتووں پر مہریں یا دستخط ہیں اور خاص کر سنی مولویوں میں سے اکثر نے بہت شرح اور بسط کے ساتھ جواب لکھے ہیں۔"

مدرسۃ العلوم کے خلاف مولوی امداد العلی کے ایک استفتا کی عبارت درج ذیل ہے :

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ ان دنوں ایک شخص ان مدرسوں کو جن میں علوم دینی اور ان علوم کی جو علوم دین کی تائید میں ہیں، تعلیم ہوتے ہیں، جیسے مدرسہ اسلامیہ دیوبند اور مدرسہ اسلامیہ علی گڑھ اور مدرسہ اسلامیہ کان پور، ان کو برا کہتا ہے اور ان کی ضد میں ایک مدرسہ اپنے طور پر تجویز کرنا چاہتا ہے اور اس شخص کا حال یہ ہے صدہا امور کو جو بموجب آیات اور احادیث اور روایات فقہیہ باتفاق اہل اسلام ناجائز ہیں، دین کے پیرائے میں رواج دیتا ہے، اس لئے مسلمانوں کو اس شخص کے افعال و اعتقاد پر اعتماد نہیں ہے۔ پس اس مدرسے کے لئے ایسا شخص جو اہل اسلام کے سلف و حال کے امور مذہبی میں مخالف ہے اور اپنے طور پر ایک مدرسہ ضد میں مدارس اسلامیہ قدیم و حال کے تجویز کرنا چاہتا ہے اور ان میں کچھ علوم دینیہ اور کچھ علوم مذہبی اپنے طور پر تعلیم کرانا اس کو منظور ہے، مسلمانوں کو ایسے مدرسے میں چندہ دینا درست ہے یا نہیں؟"۔ مولوی امداد العلی نے سر سید کے عقائد کے حوالے سے ان کے خلاف جو فتوے حاصل کئے ان میں سے علماء فرنگی محل کے مولوی عبدالحی لکھنوی کے فتویٰ کی ہلکی سی جھلک ملاحظہ فرمائیے :

"وجود شیطان اور اجنہ کا منصوص قطعی ہیں اور منکر اس کا شیطان ہے بلکہ اس سے بھی زائد، کیونکہ خود شیطان کو بھی اپنے وجود سے انکار نہیں ..... اور وجود آسمان منصوص قرآنی ہے، منکر اس کا مبتلائے وسواس شیطانی ہے۔ حرمت منخنقہ طیور منصوص کلام رب غفور ہے اور سلف سے تا خلف

اتفاق اس پر ماثور ہے، انکار اس کا موجب گمراہی وفجور ہے...... جو شخص کہ اعتقادات اس کے فاسدہ ہیں، جو کہ سوال میں مسطور ہوئے ہیں، وہ شخص مخرب دین، ابلیس لعین کے وسوسہ سے صورت اسلام میں تخریب دین محمدی کی فکر میں ہے اور بنام تجدید مدرسئہ جدیدہ افساد شریعت اس کی منظور نظر ہے۔ جو چیزیں اس کے نزدیک موجب تہذیب ہیں، اہل سنت کے نزدیک باعث تخریب ہیں"۔ مولانا حالی لکھتے ہیں :

' اگرچہ مولوی امداد العلی کی کوشش سرسید کے کفر وارتداد کے فتوے حاصل کرنے میں حد غایت کو پہنچ گئی تھی، دلی، رامپور، امروہہ، مراد آباد، بریلی، لکھنؤ، بھوپال اور دیگر مقامات کے ساٹھ عالموں اور مولویوں اور واعظوں نے کفر کے فتووں پر مہریں اور دستخط کئے تھے گویا ہندوستان کے تمام اہل حل وعقد کا اس حکم پر اجماع ہو گیا تھا، صرف خدا کی طرف سے اس کی تصدیق اور تصویب باقی رہ گئی تھی سو مولوی علی بخش خاں نے یہ کمی بھی پوری کر دی۔ انہوں نے غالباً اسی غرض سے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور مکہ معظّمہ میں جاکر مذاہب اربعہ کے مفتیوں کے سامنے دو استفتے عربی زبان میں پیش کئے"۔ ایک استفتا کا ترجمہ درج ذیل ہے :"آپ کیا فرماتے ہیں اس شخص کے باب میں جو ابلیس کے وجود خارجی سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس سے مراد قوت بہیمیہ ہے جو نفس انسان میں ہے اور ملائکہ کا سجدہ آدم کے واسطے حقیقی سجدہ نہ تھا بلکہ اس سے فتویٰ کا مطیع ہونا مراد ہے، اور ابیٰ واستکبر سے عدم اطاعت قوت بہیمیہ مراد ہے جو آدمی کی اغوا کرنے والی ہے نہ کہ حقیقی سجدہ سے انکار کرنا، اور کہتا ہے کہ افلاک اجسام نہیں ہیں بلکہ ان سے بسیط یا سبع سیارات مراد ہیں اور کہتا ہے کہ لونڈی غلام بنانا حرام ہو گیا ہے، آیہ اما منا بعد واما فداء سے، اور یہ آیت نازل ہوئی ہے فتح مکہ میں اور یہ سب سے اخیر آیت ہے جو قیدیوں کے باب میں نازل ہوئی ہے اور کہتا ہے کہ معراج خواب میں ہوئی تھی اور جسم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے جانے سے انکار کرتا ہے، اور انکار کرتا ہے شق صدر آنحضرت ﷺ کا، اور کہتا ہے کہ گلا گھونٹے ہوئے پرند حلال ہیں۔ پس ایسے شخص کے باب میں کیا حکم ہے ؟"۔ مکہ معظّمہ کے مذاہب اربعہ کے چاروں مفتیوں نے جو جوابات تحریر کئے ان کے مطابق "یہ شخص ضال اور مضل ہے بلکہ وہ ابلیس لعین کا خلیفہ ہے کہ مسلمانوں کے اغوا کا

ارادہ رکھتا ہے اور اس کا فتنہ یہود و نصاریٰ کے فتنے سے بھی بڑھ کر ہے، خدا اس کو سمجھے۔ واجب ہے اولوالامر پر اس شخص سے انتقام لینا۔ اس کو تنبیہہ کرنی چاہئے اور اگر جاہل ہو تو سمجھانا چاہئیے۔ پھر اگر باز آئے تو بہتر ہے ورنہ ضرب اور حبس سے اس کی تادیب کرنی چاہئیے، اگر دلاۃ اسلام میں کوئی صاحب غیرت ہو، نہیں تو خدا اس کو سمجھے گا اور اس کی ضلالتوں اور رسوائیوں کی سزا دے گا"۔

اسی قسم کے استفتا کے جواب میں مدینہ منورہ کے شیخ محمد امین بالی مفتی نے جو تحریر کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "جو کچھ در مختار اور اس کے حواشی سے معلوم ہوتا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ شخص یا تو ملحد ہے یا شرع سے کفر کی کسی جانب مائل ہو گیا ہے یا زندیق ہے کہ کوئی دین نہیں رکھتا یا اباحی ہے کیونکہ منخنقہ کا کھانا مباح بتلاتا ہے۔ اور اہل مذہب (حنفی) کے بیانات سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی توبہ گرفتاری کے بعد قبول نہیں ہوتی، پس اگر اس شخص نے گرفتاری سے پہلے توبہ کر لی اور ان گمراہیوں سے رجوع کی اور توبہ کی علامتیں اس سے ظاہر ہو گئیں تو قتل نہ کیا جائے ورنہ اس کا قتل واجب ہے دین کی حفاظت کے لئے اور دلاۃ امر پر واجب ہے کہ ایسا کریں"۔

دوسرے استفتا کی تلخیص ملاحظہ فرمائیے :"اس مدرسہ کے جواب میں آپ کیا فرماتے ہیں جس کے بانی کے ایسے اور ایسے عقائد اور اقوال ہوں اور جو یہ کہتا ہو کہ اہل اسلام کے اخلاق مہذب نہ ہوں گے جب تک وہ ستہ ضروریہ میں یورپ کے فلاسفہ جدید کی پیروی نہ کریں گے اور یہ کہ تمام علوم دینیہ قدیمہ جو مسلمانوں نے مدوّن کئے ہیں بے فائدہ ہیں، اس لئے ضرور ہے کہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے جس میں علوم جدیدہ کی تعلیم ہو اور اہل یورپ کے طریقہ پر ستہ ضروریہ سکھائے جائیں اور کتب دینیہ میں سے ایسے مضامین انتخاب کئے جائیں جو فلسفہ جدیدہ کے خلاف نہ ہوں۔ اور جب لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ مدرسہ تو الحاد و زندقہ کا مدرسہ ہو گا اور اس کی اعانت سے انکار کیا تو اس نے یہ جواب دیا کہ میں اپنے معتقدات سے تو رجوع نہ کروں گا اور اپنے ارادہ سے بھی باز نہ آؤں گا مگر مدرسہ کا جو نظام ہو گا وہ مجلس شوریٰ کی رائے کے موافق ہو گا حالانکہ اس مجلس کے اکثر رکن اسی کے گروہ کے ہیں اور ان کی رائیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں اور پچھلی پہلی کو منسوخ کرتی رہتی ہیں، پس ایسی حالت میں آیا مسلمانوں کو اس کی اعانت کرنی جائز ہے یا نہیں؟"۔ اس پر حرمین

شریفین کے مفتیوں کے جوابات کا ماحصل یہ ہے :

"یہ مدرسہ جس کو خدا برباد اور اس کے بانی کو ہلاک کرے اس کی اعانت جائز نہیں ہے اور اگر یہ مدرسہ بن کر تیار ہو جائے تو اس کو منہدم کرنا اور اس کے بانی سے اور اس کے مددگاروں سے سخت انتقام لینا واجب ہے اور ہر شخص پر جس میں حمیت اسلامی ہو واجب ہے اس مدرسہ کی مخالفت جہاں تک کہ قدرت ہو، اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دل سے اس کا مخالف ہو"۔ سر سید نے اپنی ایک تحریر میں ان حصول فتاویٰ کا ذکر بڑے لطیف پیرائے میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں :"جو صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکہ معظّمہ تشریف لے گئے تھے اور ہمارے کفر کی بدولت ان کو حج اکبر نصیب ہوا...... سبحان اللہ، ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو ہاجی اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہے"۔ تحریک علی گڑھ اور سر سید کے مذہبی افکار، جنہیں ان دنوں نیچریت کا نام دیا گیا تھا، کے عروج کے دور میں جب سید جمال الدین افغانی کو مصر سے اخراج کا حکم ملا تو وہ ہندوستان آکر ریاست حیدر آباد دکن میں قیام پزیر ہوئے۔ اس دوران میں انہوں نے ایک استفتا کے جواب میں ایک رسالہ "نیچریت" تحریر کیا جو عربی اور فارسی میں شائع ہوا۔ اسکے چند سال بعد، جب انہوں نے پیرس سے ایک اخبار "العروۃ الوثقیٰ" جاری کرر کھا تھا، ایک مضمون بعنوان "الدہریون فی الہند" (ہندوستانی دہریئے) لکھا۔ اس میں سید جمال الدین افغانی نے سر سید اور ان کے ساتھیوں کو، غلط یا صحیح، جس بری طرح لتاڑا اسکی ایک جھلک ملاحظہ فرمایئے۔ وہ ہندوستان میں اسلامی اعتقادات کو کمزور کرنے کے سلسلے میں انگریزوں کی سازشوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اتفاقاً ہندوستان کا ایک آدمی احمد خاں (سر سید) انگریز سے کچھ فائدہ حاصل کرنے کی خاطر ان کے محلوں کا طواف کرتا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو انگریزوں کے سامنے پیش کیا اور اپنے مذہب کو چھوڑنے اور انگریزی مذہب اختیار کرنے کے لئے چند قدم آگے بڑھائے۔ اس نے اپنے کام کی ابتداء ایک تصنیف سے کی جس میں یہ ثابت کیا کہ توریت اور انجیل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس طرح اس نے انگریزوں کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنا چاہا۔ پھر انہیں اور خوش کرنے کے لئے اس نے صراحتاً نصرانی ہونے کا فیصلہ کرلیا لیکن اس معمولی خدمت پر جو تصنیف کی

صورت میں اس نے ادا کی ہے کوئی قابل قدر معاوضہ ملنے کی توقع بہت کم ہے کیونکہ ایسی کتابیں بہت سے پادری اور مستشرق اس سے پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور معدودے چند افراد کے سوا مسلمانوں کو دین سے ہٹانے میں ناکام رہے اس لئے اس نے اپنے انگریز حاکموں کی خوشنودی کی خاطر مسلمانوں کی آواز کمزور کرنے اور ان کے اتفاق کو برباد کرنے کا دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ وہ نیچریوں اور دہریوں کے روپ میں ظاہر ہو کر یہ ثابت کرنے لگا کہ دنیا میں اندھی فطرت اور نیچر کے علاوہ اور کسی چیز کا وجود نہیں۔ وہ اس کھلی گمراہی کا اعلان کرنے لگا کہ اس دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں۔ اس کے خیال میں سارے انبیاء دہری ہی تھے اور اس معبود کے بالکل قائل نہ تھے جس کا ذکر شرائع میں آیا ہے۔ نعوذباللہ اور اس نے اپنا لقب نیچری رکھ لیا۔ اس نے دولت مند طبقہ کے پرجوش لیکن سادہ لوح نوجوانوں کو ابھارنا شروع کیا اور بہت سے نوجوان شریعت کی پابندیوں سے نجات حاصل کرنے کی تمنا اور حیوانی شہوات سے لذت اٹھانے کے شوق میں اس کے گرد اکھٹے ہو گئے۔ انگریزی حکام کو مسلمانوں کے دلوں میں فساد کا بیج بونے کیلئے یہ طریقہ بہت پسند آیا۔ انہوں نے اس کی عزت و تکریم شروع کر دی اور علی گڑھ میں ایک مدرسہ قائم کرنے میں اس کی مدد کی جس کا نام محمڈن کالج رکھا گیا۔ یہ ایک جال تھا جو مسلمان بچوں کو شکار کر کے "احمد خاں بہادر" کے افکار کے مطابق پرورش کرنے کے لئے پھیلایا گیا"

"......احمد خاں نے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے جس میں قرآنی الفاظ کے معانی میں تحریف کر کے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو بدلنے کی کوشش کی۔ اس نے "تہذیب اخلاق" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا جس میں صرف وہی مضامین شائع ہوئے جو مسلمانوں کی عقلوں کو گمراہ کرتے اور ان میں تفرق اور دشمنی کے بیج بو لیتے تھے۔"

"...... ہندوستان کے دہری یورپ کے دہریوں سے بالکل مختلف ہیں۔ یورپ کے دہری مذہب چھوڑ کر بھی ملک اور وطن کی محبت میں سرشار ہیں اور اجنبی حملہ آوروں سے ملک کو بچانے، ملک کو ترقی دینے اور اس کے مخالفین کی دستبرد سے بچانے کی خاطر اپنے بیش قیمت مال و متاع اور اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں مگر احمد خاں اور اس کے ساتھی ایک طرف لوگوں کو دین چھوڑنے پر آمادہ

کرتے ہیں اور دوسری طرف دینی اور نسلی حمیت کے آثار کو مٹانے اور اجنبی تسلط کا جواز پیدا کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔" "...... بقول نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، احمد خاں آخری زمانے کا دجال ہے۔" سرسید عام مجلسوں میں جذباتی گفتگو کے ذریعے دوسروں کو قائل کرنی پر نہایت قادر تھے۔ جب یہ فتوے ان کی تعلیمی کاوشوں کی راہ میں مزاحم ہونے لگے تو انہوں نے انہیں اپنی جدوجہد پر اثرانداز ہونے سے بچانے کیلئے تقریروں میں اس قسم کا جذباتی لہجہ اختیار کیا :

"میں فرض کرتا ہوں کہ میں بد عقیدہ ہوں، مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک کافر مرتد آپ کی قوم کی بھلائی پر کوشش کرے تو کیا آپ اس کو اپنا خادم، اپنا خیر خواہ نہ سمجھیں گے ؟ آپ کے لئے دولت سرا بنانے میں جس میں آپ آرام فرماتے ہیں اور آپ کے بچے پرورش پاتے ہیں، آپ کے لئے مسجد بنانے میں جس میں آپ خدائے واحد ذوالجلال کا نام پکارتے ہیں چوہڑے، چمار، قلی، کافر، بت پرست، بد عقیدہ سب مزدوری کرتے ہیں مگر آپ نہ کبھی اس دولت خانہ کے دشمن ہوتے ہیں اور نہ کبھی اس مسجد کے منہدم کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ پس آپ مجھ کو بھی اس مدرسۃ العلوم کے قائم کرنے میں ایک قلی چمار کی مانند تصور کیجئے اور میری محنت اور مشقت سے اپنے لئے گھر بننے دیجئے اور اس وجہ سے کہ اس کا بنانے والا یا اس میں مزدوری کرنے والا ایک قلی چمار ہے اپنے گھر کو مت ڈھایئے۔ کیا آپ صاحب مجھ ایک بدبخت نامہ سیاہ کی شامت اعمال سے اپنی تمام قوم کو اور ان کی اولاد کو نسلاً بعد نسل ڈبونا اور خراب وخستہ حالت میں ڈالنا چاہتے ہیں ؟ اگر آپ سب صاحب میری حالت کو بدتر جانتے ہو، اسی سے عبرت پکڑو اور برائے خدا اپنی قوم کی اور اپنی اولاد کی بھلائی و بہتری کی فکر کرو۔ اگر مجھ کو بد عقیدہ و کافر اور مرتد جانتے ہو اور میرے ہاتھ سے اس کام کا ہونا ناپسند کرتے ہو، بسم اللہ، میں علیحدہ ہونے پر موجود ہوں۔ کوئی دوسرا شخص کھڑا ہو اور اس تمام کام کو انجام دے۔ چشم ما روشن۔ مگر یہ بات کسی طرح پسندیدہ نہیں ہے کہ نہ آپ کریں اور جو کوئی دوسرا کرے تو اس کو کافر و مرتد بتلائیں"۔

"یاد رکھو کہ میں یہ پیشین گوئی کرتا ہوں کہ اگر اور چند روز تم اسی طرح غافل رہے تو ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تم چاہو گے کہ اپنے بچوں کو تعلیم دو، ان کی تربیت کرو مگر تم سے کچھ نہ ہو سکے گا۔

مجھ کو کچھ کہو، کافر، ملحد، نیچری، میں تم سے خدا کے سامنے کچھ سفارش نہیں چاہتا۔ میں تم سے اپنی شفاعت کے واسطے خواستگار نہ ہوں گا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں تمھارے بچوں کی بہتری کے لئے کہتا ہوں۔ تم انہی پر رحم کرو اور ایسا کچھ کرو کہ آئندہ کو پچھتانا نہ پڑے "۔ اس چپقلش میں دونوں فریقوں کے افراد درپردہ اور برسرعام ایک دوسرے کو زک دینے کی کوشش کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں "اودھ اخبار لکھنؤ" کے ایڈیٹر کا مراسلہ بنام سر سید ملتا ہے جس پر نام، مقام اور تاریخ درج نہیں بلکہ مرسل الیہ سے یہ درخواست کی گئی کہ "بعد ملاحظہ یہ خط چاک کر دیا جائے" مگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہوسکا اور یہ خط تحریک علی گڑھ کے تاریخی ریکارڈ میں شامل ہو گیا۔ ملاحظہ فرمائے :"اس ہفتہ منشی (نول کشور) صاحب کان پور تشریف لے گئے تھے۔ ڈپٹی (سید امداد العلی) صاحب بہادر نے ان کو خوب دھمکایا کہ تم نے ایک کرسٹان ایڈیٹر کو نوکر رکھ کے اپنے اخبار کا ناس کر رکھا ہے۔ تمام مضامین سید احمد خاں صاحب کے اس میں بھر دیتا ہے۔ چونکہ منشی صاحب کا مطبع کان پور میں ہے اس واسطے انہوں نے رعایت کے جواب دئے تاہم وہ بہت لال پیلے ہوئے اور مجھ کو اور آپ کو اور اکثر اشخاص کو سخت سست کہا۔ افسوس ہے کہ آج تک تو میں یہی جانتا تھا کہ یہ شخص شاید کسی جوش حمیت ہی پر حضور سے مباحثہ کرنے اور برا بھلا کہنے پر مجبور ہے مگر اب معلوم ہو گیا کہ فقط نفسانیت اور ضد ہے۔ لاحول ولا قوۃ، ایسے بھی مسلمان ہیں۔ ہر چند میرے مکرم مولانا علی بخش خان بہادر بھی متعصب ہیں مگر ایسے ضدی اور مغلوب الغضب نہیں۔ خدا رحم کرے۔ میری رائے ہے کہ کسی جلسہ میں اس شخص کو ایسی زک دی جائے کہ آئندہ یہ شخص اپنی ہٹ دھرمی پر قائل ہو کر مخالفت چھوڑ دے۔ تمام ہندوستان میں میرے نزدیک ان ہی حضرت کی اشتعالک ہے ۔ آگرہ اخبار انہی کا بچہ ہے۔ میو گزٹ درم ناخریدہ ہے اور اور ذریات بھی اکثر انہی کی تحریک سے مخالفت مدرسۃ العلوم کی اختیار کرتے ہیں، حالانکہ ان کی مخالفت سے کیا ہو سکتا ہے ؟ حضور کو معلوم ہو گا کہ اودھ اخبار کے ایڈیٹر کو کامل آزادی نصیب نہیں ہے اس واسطے اس کے خیالات کا گلا گھٹتا ہے اور جو مضامین باہر سے آتے ہیں ان کو بھی کبھی چھاپنے میں ناکامیاب رہتا ہے۔ منشی صاحب تو آپ کے تہ دل سے معتقد اور پایگاہ سے بخوبی واقف ہیں لیکن تاہم بہت سے آدمی ان کے خیالات

نیک کو روک دیتے ہیں۔ ہر چند حضور کی ذات مستغنی ہے لیکن اگر مناسب ہو تو کبھی کبھی منشی صاحب مالک مطبع کو بہ ترسیل والا نامہ جات معتقد بنائے رکھئے اور کبھی مناسب ہو تو لکھئے کہ مخالف ہمارا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔" بحث و مباحث کے اس تمام دور میں سر سید کے ساتھیوں کی جانب سے جس شدید رد عمل کا اظہار کیا جاتا رہا اس کے بیان سے قطع نظر خود سر سید علماء کے فتووں کے بارے میں جو کچھ کہتے رہے اس کے چند مختصر نمونے درج ذیل ہیں :

"جو لوگ کہ ہماری تدبیروں کی مخالفت کرتے ہیں وہ پکے دشمن اسلام کے اور مسلمانوں کے ہیں۔ تمام باتیں ان کی ظاہری اور محض جھوٹی ہیں۔ اپنے مطلب پر دہ وہ باتیں کرتے ہیں جو یک ادنیٰ دنیادار بھی نہیں کیا کرتا۔ کیا اس زمانہ کے لوگ واقف نہیں ہیں کہ اپنی غرض پر مولوی ون بسر اور مولوی سین بسر اور مولوی میم بسر اور مولوی عین بسر وغیر وغیرہ نے کیا کیا کیا؟ جو وگ ہماری تکفیر کا فتویٰ دیتے ہیں ذرا ان کو شرم کرنی چاہئیے اور اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہئیے۔ ون سی لمبی پوزیشن کے مولوی صاحب ہیں جن کے حال اور کرتوت سے ہم واقف نہیں ؟"۔ "اسرار اسلام کے سمجھانے والے سب مٹ گئے اور صرف اسلام کا بھجن گا کر روٹی کمانے والے اور پنا دوزخ بھرنے کو تمام دنیا کو دوزخ میں بھیجنے والے باقی رہ گئے جو بہشت کو خاص اپنی جاگیر سمجھتے یں، کفر کے خزانے کے مالک ہیں، اس میں سے ہر ایک کو جتنا جتنا مناسب سمجھتے ہیں، تحفہ دیتے یں"۔ "منبر پر بیٹھ کر دنیا کے ہیچ اور اہل دنیا کے کافر ہونے کا وعظ فرماتے ہیں مگر جب سفید سفید ول گول نذر پیش ہوتی ہے تو جھٹ ہاتھ لمبا کر کے اور ایک عجیب شتر غمزہ سے اٹھا کر جیب بارک میں رکھ لیتے ہیں"۔ "دن رات اس خیال میں مبتلا ہیں کہ مسواک کتنی لمبی اور ازار کتنی اونچی کھنی چاہئیے، نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے ہوں یا چھاتی کے اوپر، آمین آہستہ سے کہی جائے یا ایسے پکار ر جس سے مسجد گونج جائے۔ جب اس سے بھی فارغ ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کی تکفیر کے وے لکھنے پر مصروف ہوتے ہیں"۔ "واہ، کیا معتقدین رسول علیہ کے ہیں کہ جو برائیاں ان میں ں وہ سب پیغمبر علیہ کی نسبت بھی قیاس کرتے ہیں اور جب ہم ان سے مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ں کہ ایسی بدگمانی پیغمبر علیہ سے مت کرو تو ہمارے زمانہ کے لمبی ڈاڑھی اور اونچے پاجامے والے

ہم کو غیر مقلد ائمہ اربعہ اور کافر اور ملحد بتاتے ہیں"۔ "افسوس، صد افسوس! ہمارے ہاں کے مولویوں نے ایسے صاف اور روشن مذہب کو ایسی لغو اور مہمل کہانیوں میں ڈال دیا ہے اور جب کوئی چاہتا ہے کہ اس کی تحقیقات کرے اور اس پر غور کیا جائے تو اس کو کافر، لامذہب، مرتد، عیسائی، حرام خور، مری مرغی کھانے والا بتاتے ہیں"۔

"کٹھ ملاؤں کے اس فتوئ کفر سے کہ عذاب قبر سے انکار کیا اور معراج سے منکر ہوئے اور شیطان کے وجود کو حیز جداگانہ میں نہ ماننے سے نص قرآنی کا انکار کیا، کچھ ڈرنا نہیں چاہیئے۔ اگلے لوگوں نے جن میں سب کے سر تاج امام حجۃ الاسلام غزالیؒ ہیں اور سب کے آخر میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہیں ان کی نسبت بھی ان کٹھ ملاؤں نے اسرار دین کے بیان کرنے کے سبب سے بہت سے کفر کے فتوے دیئے ہیں۔ ان فتووں سے ان کا تو کچھ نہیں بگڑا مگر ان کٹھ ملاؤں کی ہنڈیا میں جو تھا وہی ان کے چمچوں میں نکل آیا"۔ "میں ان کے کافر بنانے سے کافر نہیں ہو سکتا۔ تکفیر کے فتوے کچھ نئی بات نہیں ہے۔ کون شخص بزرگان دین میں سے بچا ہوا ہے جس کی تکفیر کے فتوے نہیں ہوئے؟۔ حضرت غوث الاعظمؒ کی تکفیر کے فتوے ہوئے، امام غزالیؒ کافر بنائے گئے، جناب حضرت مجدد الف ثانیؒ کافر قرار دیے گئے اور علماء ہی کے فتوے سے ان کی ریش مبارک نوچی گئی اور گوالیار کے قلعہ میں قید ہوئے۔ اگر میں ان سب بزرگوں کا نام لوں جن پر کفر کے فتوے جاری ہوئے تو غالباً کئی جزو میں بھی ان کی فہرست ختم نہ ہو گی۔ پس جب یہ حال ہے تو میں غریب کسی گنتی میں ہوں؟ مجھ کو اپنی تکفیر کے فتووں کا نہ کچھ ڈر ہے نہ کچھ غم"۔ "میں اول درجے کا چکنا گھڑا ہوں اور گالیاں کھاتے کھاتے بے حیا بن گیا ہوں۔ میں نے آج تک نہ کفر کے فتووں کی اور نہ اخبارات کی تحریروں کی کوئی پرواہ کی ہے"۔ "میں تو بڑے بڑے مولویوں اور جگادریوں کے فتووں پر ملتفت ہوتا ہی نہیں"۔ جدید علوم کی ترویج کی کوششوں پر شدید رد عمل سر سید کے اپنے خیال کے مطابق ان کے لئے کوئی غیر متوقع بات نہ تھی۔ وہ اپنی ایک تحریر میں بیان کرتے ہیں: "جس قدر مخالفت ہمارے ساتھ لوگوں نے کی اور ہم کو سخت وسست برا بھلا کہا، ہم کو دجال اول کا لقب دیا، ہمارے اجداد کو نعوذ باللہ دجال کے اجداد قرار دیا، جن کا کلمہ روز پڑھتے ہیں ان کو معاذ باللہ دجال کا دادا سمجھا،

حقیقت میں یہ بہت کم ہوا، جب ہم نے اس کام پر ہاتھ ڈالا تو ہم کو اس سے بھی زیادہ مخالفتوں کا یقین تھا۔"" مدرسہ دیوبند کی سالانہ رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے "مسلمانوں کا جھوٹا دعویٰ دین داری" کے عنوان سے ایک مضمون میں سر سید نے اپنی توقعات کو ان الفاظ میں بیان کیا : "بلا شبہ ان لوگوں سے اس بات کی توقع ہے کہ جب کوئی شخص دلی ہمدردی اور محبت قومی اور حب ایمانی اور خالص عشق اسلامی سے اپنی قوم کی بھلائی میں کھڑا ہو، جسکے خیالات بالضرور ان تاریک خیالات سے مختلف ہوں گے تو اس کی نسبت کفر کے فتوے دینے کو موجود ہوں گے۔ جناب شمس العلماء مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی بھی سید احمد کے کفر پر مہر ثبت فرمائیں گے اور مولوی محمد سعد اللہ صاحب بھی تکفیر کے فتووں پر مہریں کریں گے اور اس بات کو بھول جائیں گے کہ ان دونوں صاحبوں نے کیسے کیسے فتووں پر مہریں کی ہیں جس سے سچے مسلمان کا ایمان کانپ جاتا ہے۔ تھوڑی سی دنیا کی توقع میں کس طرح خدا کے احکام کو تحریف کیا ہے! مگر ان بزرگوں کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ ان فتووں سے کیا ہوتا ہے ؟ بقول مولوی شاہ عبد العزیز صاحب کے کہ گوز شتر کے برابر بھی کچھ وقعت نہیں رکھتے۔ پہلے خود تو مسلمان ہو لیں جب دوسروں کی تکفیر کریں۔ "(بحوالہ نقش سرسید)

سلامے یا رسول اللہؐ سلامے

حضرت مولانا قاضی عبد الکریم صاحب مدظلہ بانی نجم المدارس کلاچی

پناہ دو جہاں عرض غلامے سلامے یا رسول اللہؐ سلامے
شنواز شرمسارے تشنہ کامے سلامے یا رسول اللہؐ سلامے
شفیع مذنبیں یک نامرامے سلامے گویدت بل صد سلامے
رہ صد سالہ گردد یکدو گامے شود منظور زوگر یک سلامے
دھد جبریل بر لبہاش بوسہ فرستد بر روانت چوں سلامے

ندیم خستہ ام شاہی نخواھم
چوں یا بم بر درت شاہا سلامے

جناب محمد امجد تھانوی صاحب
ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامی، کراچی یونیورسٹی

عرب دورِ جاہلیت ؟...... ایک تحقیقی جائزہ

دنیا کے ارتقائے مذہبی کے مطالعے کے غرض سے اگر کسی خاص قوم کے ذہنی ارتقاء کا مطالعہ اس نقطہ نگاہ سے کیا جائے کہ اس کی حیثیت تمام انسانوں کے نمائندہ کی ہے اور اس کے مذہبی تخیلات نوع انسانی کے بہت بڑے طبقے کے تخیلات کا آئینہ ہیں تو یقیناً اس مقصد کیلئے سامی اقوام ہی کو منتخب کرنا پڑے گا۔ اس لحاظ سے سامی اقوام کا مسکن اول جزیرہ نما عرب ہے۔ (۱)

ملک عرب کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ گویا دنیا کے ذہنی واعتقادی ارتقاء کے مطالعہ کے مترادف ہوگا۔ اس حقیقت کے پیش نظر ادیان عالم کی عہد بعہد کی تاریخ کو سمجھنا اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب عرب قبل اسلام کی مذہبی حالت کو ذہن نشین کر لیا جائے اور یوں اس عہد کا مطالعہ ادیان مقامی نوعیت اور محدود افادیت کے بجائے بین الاقوامی نوعیت اور وسیع افادیت کا حامل ہے۔

عرب قبل اسلام کو "دور جاہلیت" کہا جاتا ہے۔ اس دور کے دو حصے ہیں۔ "جاہلیت اولیٰ" جو عرب بائدہ اور عرب عاربہ و مستعربہ کے حالات پر مشتمل ہے اور ظہور اسلام سے چند صدیاں قبل اس کا اختتام ہوا۔ دوسرا حصہ "جاہلیت ثانیہ" کہلاتا ہے جو فتح مکہ پر ختم ہوا۔ (۲)۔

جاہلیت کی لغوی تعریف : جہل، جہالت اور جاہلیت کے لغوی معنی، بیوقوفی، سفاہت، حماقت، نادانی اور ظلم کے ہیں۔ مشہور جاہلی شاعر عمرو بن کلثوم تغلبی کہتا ہے۔ الالا یجہلن احد علینا فنجہل فوق الجہل الجاہلینا (۳)۔

جاہلیت کی اصطلاحی تعریفات : دراصل اصطلاع میں "جاہلیت" سے مراد ایک ایسا دور ہے جس میں کسی ملک میں کوئی شریعت، کوئی صاحب وحی نبی اور کوئی الہامی کتاب نہ ہو۔ درحقیقت عرب کا دور جاہلیت دو نبیوں کا "درمیانی زمانہ" یا "دور فترت" ہے یہ زمانہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا درمیانی زمانہ ہے۔ جس میں کوئی

شریعت عرب میں باقی نہ رہی تھی۔ حضرت موسیٰ وعیسی علیھم السلام کی دعوات مقامی نوعیت کی تھیں اور یہ نبی صرف بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوئے تھے لہذا ان کی تعلیمات سرزمین عرب کے لئے نہ تھیں۔ عرب ثقافت وتہذیب کے میدان میں دیگر اقوام سے پیچھے نہ تھے وہ زیر نظر عہد جاہلیت میں اپنے تہذیبی تنوع کے لئے بھی ممتاز تھے۔ تمام جزیرہ نما مذاہب عالم کے حق میں ایک عالم اصغر تھا جس میں دنیا کے تمام طریقہ ہائے عبادت مختلف شکلوں میں موجود تھیں۔ (۴)۔

امام ابن تیمیہ کی رائے : ناصر بن عبدالکریم اپنے پی ایچ ڈی مقالہ میں ابن تیمیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں لفظ "الجاھلیۃ" ایک کیفیت کا نام ہے اسی مناسبت سے "طائفۃ جاھلیۃ" "سنۃ جاھلیۃ" اور "شاعر جاھلی" کے الفاظ سے عدم علم اور عدم اتباع علم مراد ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص صحیح بات کو نہیں جانتا تو اسے جاہل کہا جاتا ہے بمعنی جہل بسیط اور اگر نہ جاننے کے باوجود جاننے کا دعویٰ ہو تو اس جہل کو جہل مرکب کہا جاتا ہے اسی طرح کوئی عالم جان بوجھ کر حق کے خلاف کوئی بات کہے تو اسے بھی جاہل کہا جاتا ہے۔ (۵)

محمود شکری آلوسی اور دیگر اہل علم کی آراء : جاہلیت سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں جاہلوں کی کثرت تھی اور یہ اسلام سے پہلے کا زمانہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ جاہلیت کا زمانہ "فترت" کا زمانہ ہے یعنی وہ زمانہ جو دو رسولوں کے درمیان تھا۔ کبھی اس کا اطلاق مطلق زمانہ کفر پر ہوتا ہے کبھی فتح (مکہ) سے پہلے کے زمانے پر اور کبھی اس زمانے پر جو ولادت نبوی ﷺ اور بعث کے درمیان ہے۔ (۶)

ابن خالویہ (۷) سے مروی ہے کہ یہ لفظ ایسا نام ہے جو بعہد اسلام وجود میں آیا اور اس سے بعثت نبوی ﷺ سے پہلے کا زمانہ مراد لیا جاتا ہے۔ عسقلانی (۸) بخاری کی شرح میں کہتے ہیں۔ جاہلیت سے بالعموم یہی مراد لی جاتی ہے اور قرآن کی یہ آیت انہی معنوں کی حامل ہے۔

يظنون بالله غير الحق ظن الجاهلية (۹)

"یہ لوگ عہد جاہلیت کے خیالات کی طرح اللہ کے متعلق غلط قسم کے خیالات رکھتے ہیں" اسکے بعد محمود شکری کہتے ہیں نووی (۱۰) کا مسلم کی شرح میں متعدد مقامات پر حتمی طور پر یہ کہنا کہ جہاں کہیں بھی یہ لفظ آئے اس سے یہی مراد لی جاتی ہے غور طلب ہے کیونکہ لفظ جاہلیت کا اطلاق گذشتہ

زمانے پر ہوتا ہے اور مراد ما قبل اسلام کا زمانہ لیا جاتا ہے اور اسکا آخری زمانہ فتح مکہ لیا جاتا ہے (۱۱)۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ جاہلیت کا لفظ کبھی تو حالت جاہلیت کے نام کے طور پر بولا جاتا ہے اور کتاب و سنت میں بالعموم یہی معنی مراد لئے جاتے ہیں اور کبھی ذوالحال (یعنی وہ شخص یا لوگ جو اس حالت میں ہوں) مراد لی جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا حضرت ابوذرؓ کو فرمانا "انک امرو فیک جاھلیۃ" (تجھ میں جاہلیت کی حالت پائی جاتی ہے)۔ اور حضرت عمرؓ کا فرمانا، میں نے جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ ایک رات اعتکاف میں بیٹھوں گا اور حضرت عائشہؓ کا فرمانا جاہلیت میں نکاح چار قسم کا تھا۔ اور صحابہ کا یہ کہنا "یارسول اللہ ہم جاہلیت اور شر میں تھے"۔ یعنی جاہلیت کی حالت یا طریقے یا عادت وغیرہ میں تھے۔ یہ سب پہلے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ کیونکہ جاہلیت اگرچہ در حقیقت صفت ہے مگر کثرت استعمال کی وجہ سے یہ اسم بن گیا ہے مگر اس کے معنی مصدری معنی کے قریب ہیں۔ دوسرے معنی میں (یعنی ذوالحال کے معنوں میں) طائفۃ جاہلیۃ اور یہ نسبت ہے جہل کی طرف کی طرف جس کے معنی علم نہ ہونے کے یا علم کا اتباع نہ کرنے کے ہیں (۱۲) چنانچہ جو شخص حق بات کو نہ جانتا ہو اس شخص میں جہل بسیط پایا گیا اور اگر حق کے خلاف عقیدہ رکھے تو اس کا جہل، جہل مرکب ہے اور اگر حق بات کو جانتے ہوئے یا نہ جانتے ہوئے حق کے خلاف کہے تو وہ بھی جاہل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : "واذاخاطبھم الجاھلون قالو اسلاما"

(جب ہٹ دھرم لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو یہ انہیں (اس کے جواب میں) سلام کہتے ہیں)

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : "اذاکان احدکم صائمافلایرفث ولا یجھل" (جب تم میں سے کوئی شخص روزہ رکھے ہوئے ہو تو اسے نہ تو کوئی گندی بات کہنی چاہیئے نہ اکھڑ پنے کی)۔ انہی معنوں میں عمرو بن کلثوم اپنے قصیدے میں کہتا ہے۔ "الا لا یجھلن احدعلینا فنجھل فوق جھل الجاھلینا" "خبردار! کوئی ہمیں اکھڑ دکھائے ورنہ پھر ہم ان سے بڑھ کر اکھڑ پنا دکھائیں گے" ان معنوں میں یہ لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ (۱۴)۔ اسیطرح جو شخص حق کے خلاف عمل کرے وہ بھی جاہل ہے خواہ اسے علم ہی کیوں نہ ہو کہ یہ حق کے خلاف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : "انما التوبۃ علی اللہ للذین یعلمون الشوء بجھالیتہ ثم یتوبولہ من قریب" اللہ تعالیٰ تو صرف

ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو جہالت سے بُرا فعل کر بیٹھیں اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ہی توبہ کر لیں" اصحاب محمد ﷺ فرماتے ہیں ہر وہ شخص جو بُرا فعل کرے جاہل ہے خواہ اسے اس بات کا علم ہی کیوں نہ ہو کہ وہ فعل حق کے خلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقی علم جو دل میں راسخ ہو چکا ہو اس کے ہوتے ہوئے ناممکن ہے کہ کسی انسان سے کوئی ایسا قول یا فعل صادر ہو جو اس علم کے خلاف ہو، لہذا جب حق کے خلاف بات صادر ہوئی تو وہاں یقیناً دل کی غفلت پائی گئی یا حق کے مخالف امر کا مقابلہ نہ کرنے کیوجہ سے دل کی کمزوری پائی گئی اور یہ تمام حالات حقیقت علم کے منافی ہیں لہذا اس اعتبار سے جہل قرار پائے۔ یہیں سے تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اعمال ایمان میں مجازاً نہیں بلکہ حقیقتاً شامل ہیں، اگرچہ ہر وہ شخص جو اعمال ترک کر دے نہ کافر کہلا سکتا اور نہ اصل ایمان کے نام سے خارج ہے۔ یہی حال عقل اور اسی قسم کے دوسرے ناموں کا ہے اسی لیئے تو اللہ تعالیٰ ان حالات والوں کو مردے، اندھے، گونگے، بہرے گمراہ اور جاہل کا نام دیتے ہیں اور ان کی تعریف میں لایعقلون اور لایسمعون جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور مومنین کی صفت میں اولوالباب، اولوالنھی، انھم مھتدون۔ (یہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں)، ان لھم نورا (ان کیلئے نور ہے)، انھم یسمعون (یہ سنتے ہیں)، یعقلون (سمجھتے ہیں) قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جب یہ بات واضح ہو گئی تو گویا وہ لوگ جو نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے تھے جاہلیت کی حالت میں تھے، یعنی ایسا جہل جو جاہل کی طرف منسوب ہو کیونکہ جن اقوال وافعال کے وہ عادی بن چکے تھے انہیں ایجاد بھی کوئی جاہل ہی کر سکتا تھا اور ان پہ عمل پیرا بھی کوئی جاہل ہی ہو سکتا تھا۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو رسولوں کے آورده احکام کے خلاف ہو خواہ اس کا تعلق یہودیت سے خواہ نصرانیت سے، جاہلیت ہے۔ یہ تو عام جاہلیت تھی لیکن نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد مطلق جاہلیت کسی شہر میں ہو سکتی ہے اور کسی میں نہیں، مثلاً وہ علاقے جنہیں غیر اسلامی کہا جاتا ہے اسی طرح جاہلیت کسی شخص میں ہوتی ہے کسی میں نہیں مثال کے طور پر ایک شخص اسلام لانے سے پہلے جاہلیت میں ہوتا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ دارالاسلام میں مقیم ہوتا ہے۔ مطلق زمانے کے اعتبار سے محمد ﷺ کی بعثت کے بعد کوئی جاہلیت نہیں رہی کیونکہ آپ کی امت کے کچھ لوگ قیامت تک حق پر کاربند رہنے کے باعث

غالب رہیں گے۔ رہی مقید جاہلیت تو وہ بعض اسلامی ممالک میں بھی پائی جاسکتی ہے اور بہت سے مسلمان افراد میں بھی، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ارفع فی امتی من امر الجاهلية لايتر كونهن الفخر بالاحساب والطعن فی الانساب والا ستقاء بالنجوم-----

میری امت میں چار باتیں جاہلیت کی پائی جاتی ہیں جنہیں وہ نہیں چھوڑتے، حسب ونسب پر فخر کرنا، اوروں کے نسب میں طعن کرنا، ستاروں سے بارش طلب کرنا اور نوحہ کرنا۔ ایک بار حضرت ابوذرؓ نے کسی شخص کو ان کی والدہ کے متعلق طعن کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

"انك امروء فيك جاهلية" (تو ایسا انسان ہے جس میں جاہلیت کی خصلت پائی جاتی ہے)۔ یہ سب باتیں جاہلیت کہلاتی ہیں، اگرچہ جاہلیت کا لفظ بالعموم عربوں کی قبل از اسلام کی حالت کیلئے بولا جاتا ہے کیونکہ وہ بہت سے اعمال اور احکام میں اس سے بھی زیادہ جہالت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ (۱۶)۔

بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا "اگر تم عربوں کی جاہلیت کو معلوم کرنا چاہو تو سورۃ انعام کی ایک سو تیس سے اوپر کی آیات کو پڑھ کر دیکھ لو"۔

"قدخسرالذين قتلوا اولادهم سفهابغيرعلم وهرموامارزقهم الله افتراء على الله قدضلوا وما كانوا مهتدين" (۱۷)۔ (جن لوگوں نے اپنی بیوقوفی کی وجہ سے بغیر علم کے اپنی اولاد کو قتل کیا اور اللہ کے رزق کو اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے حرام قرار دیا وہ لوگ خسارے میں ہیں۔ یقیناً یہ لوگ گمراہ ہو چکے ہیں اور ہدایت ان کے مقدر میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

"وقرن فی بیوتكن ولاتبرجن تبرج الجاهلية الاولى" (۱۸)

(گھروں کے اندر رہو اور پہلی سی جاہلیت کا سنگھار نہ کرو)

مدت جاہلیت کی تعین میں اختلاف: چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ جاہلیت اولیٰ اس زمانے میں تھی جس زمانے میں ابراہیمؑ کی پیدائش ہوئی۔ اس زمانے میں عورت موتیوں کی قمیض پہن کر راستے کے عین وسط میں چلتی اور اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرتی تھی۔ حکم (۱۹) بن عینیہ کہتے ہیں جاہلیت اولیٰ آدم اور نوح علیہ السلام کے زمانے میں تھی اور یہ آٹھ سو سال کا عرصہ ہے۔ اس زمانے کے لوگوں کے اخلاق برے بیان کیے جاتے ہیں۔ ابن عباس (۲۰) کہتے ہیں کہ نوحؑ اور

ادریسؑ کے درمیان کا زمانہ ہے۔ کلبی (۲۱) کہتے ہیں نوح اور ابراہیمؑ کے درمیان کا زمانہ ہے کہا جاتا ہے کہ عورت موتیوں کی قمیض پہنتی تھی جو دونوں جانب سے سلی ہوئی نہ ہوتی تھی، پتلے کپڑے پہنتی اور اپنے بدن کو ڈھانپا نہ کرتی تھی۔ ایک گروہ کہتا ہے جاہلیت اولیٰ موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان کا عہد۔ ابو العالیہ (۲۳) کہتا ہے یہ داؤد اور سلیمان علیہما اسلام کا زمانہ ہے اس زمانے میں عورت جو قمیض پہنتی اس کی دونوں طرفیں سلی ہوئی نہ ہوتی تھی اور عورتیں بدن کے اس حصے کو بھی ظاہر کر دیا کرتیں جس کا ظاہر کرنا قبیح معلوم ہوتا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ عورت (بیک وقت) اپنے خاوند اور اپنے یار کے ساتھ بیٹھ جاتی۔ یار تہمد سے اوپر کا حصہ لے لیتا اور خاوند تہمد سے لے کر نیچے تک کا حصہ اور بعض اوقات دونوں ایک دوسرے سے اپنا اپنا حصہ بدل لینے کی بھی فرمائش کرتے۔ مجاہد (۲۴) کہتے ہیں عورتیں مردوں کے درمیان چلا پھرا کرتی تھیں۔ اسی کو قرآن نے "تبرج" سے تعبیر کیا ہے۔ ابن عطیہ (۲۵) کہتے ہیں محمود آلوسی کے نزدیک ظاہر بات یہ ہے کہ اللہ نے اس جاہلیت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا زمانہ انہوں پایا لہذا انہیں اسی جاہلیت کے اخلاق سے علیحدہ ہو جانے کا حکم دیا گیا اور یہ اخلاق وہ اخلاق تھے جو شریعت کے آنے سے پہلے کفار کا شعار تھے۔ کیونکہ ان میں کسی قسم کی غیرت نہ پائی جاتی تھی۔ عورتوں کے معاملے میں کسی قسم کا حجاب نہ تھا اور اس جاہلیت کو اولیٰ اس حالت کی نسبت سے کہا گیا جس پر وہ اس وقت یعنی بعید اسلام تھیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں کوئی اور جاہلیت بھی ہے۔ جاہلیت کا لفظ اسلام سے پہلے کی مدت کے لئے استعمال کیا گیا جیسا کہ واضح ہے (۲۶)۔ ڈاکٹر فاطمہ عبد الفتاح نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں اس سلسلہ میں متعدد آراء لکھی ہیں۔

۱۔ بعض نے شاعروں کی بنیاد پر زمانہ جاہلیت کا تعین کیا ہے۔

(ا) بزوغ شاعر کا عہد جو کہ جنگ بسوس بھی کہلاتا ہے اس کا زمانہ ہے ۴۹۴ تا ۵۳۴ عیسوی

(ب) ازدھار کا عہد جو کہ اسلام سے پہلے کا زمانہ ہے ۵۳۲ تا ۶۲۲ عیسوی

۲۔ بعض کی رائے ہے یہ پانچویں چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ ہے۔ (۲۷)

۳۔ کراٹسکوفسکی کی رائے ہے یہ ساتویں آٹھویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے اور امویوں کے دور

حکومت میں ۷۵۰ عیسوی پر ختم ہوتا ہے۔(۲۸)

۴۔ ڈاکٹر فاطمہ کی اپنی رائے یہ معلوم ہوتی ہے اسلام سے پہلے کے ایک سو سال زمانہ جاہلیت ہیں۔(۲۹)اور زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

دور جاہلیت کی غلط عکاسی : اکثر اہل قلم حضرات زمانہ جاہلیت کا تعارف کراتے ہوئے حد سے زیادہ مبالغہ آرائی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ڈاکٹر فاطمہ عبدالفتاح لکھتی ہیں : اسی لئے جو لوگ اس لفظ "جاہلیت" کے اصطلاحی معنی سے ناواقف ہیں قبل از اسلام کے عرب کو ایک ایسی سرزمین سمجھتے ہیں جہاں تعقل، تفکر اور تدبر کا شائبہ بھی نہ تھا اور بقول حالی "عرب جس پہ تھا قرون سے جہل چھایا" یہ ملک دنیا کا غیر مہذب ترین ملک تھا اور یہ قوم دنیا کی بدترین اور پست ترین قوم تھی۔ حالانکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے کیونکہ ایک اسی قوم کو احمق، نادان اور غیر مہذب سمجھنا یقیناً درست نہیں جس کے تاجروں نے یمن، تدمر، رقیم، حوران او بصریٰ میں متمدن حکومتیں قائم کیں اور جس کے شعراء نے دنیا کے شعری ادب کو ایک ایسا گنجینہ بے بہا عطا کیا کہ جس کے سامنے قدیم یونان کے ادبی خزانے بھی بے قیمت اور بے قدر ہیں۔(۳۰)۔

ماحصل : دراصل دور جاہلیت کو عرب تک محدود رکھنا یا کسی خاص قوم کیلئے لفظ جاہل استعمال کرنا مناسب نہیں۔اصل جاہلیت حقیقت سے ناآشنائی ہے جو کسی بھی دور اور قوم میں موجود ہو سکتی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ غیر متمدن دور سے لیکر آج کے متمدن دور اور غیر متمدن و متمدن اقوام میں سے ہر قوم میں ایسے افراد موجود ہیں جو حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے اور یہی سب سے بڑی جہالت ہے جو عربوں میں بھی تھی۔ عجمیوں میں بھی اور آج بھی ہے۔

حواشی

(۱) ارض القران سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ص : ۱۰۷، جلد ۱ (۲) تاریخ التمدن الاسلامی، جرجی زیدان مصر دار الھلال ج ۱، ص ۳۲ (۳) شرح المصلقات السبع، ابو عبداللہ زروزنی مصطفٰی البابی مصر ۱۳۷۹، ص ۱۳۶ (۴) نقوش سیرت، ص ۱۸۲ (۵) التقلید والتبعیۃ واثرھما فی کیان الامۃ الاسلامیۃ، ناصر بن عبدالکریم الریاض، جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیۃ الریاض سعودی عربیہ ۱۳۹۴ھ، ص ۷۹ (۶) بلوغ الارب محمود شکری، آلوسی مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۷ء، جلد نمبر : ۱، ص : ۲۹ (۷) ابن خالویہ : الاستاد ابو عبداللہ الحسین بن احمد الھمدانی النحوی اللغوی، کچھ

عرصہ بغداد میں رہے پھر حلب چلے آئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی اور وہیں ۷۶۳ھ میں وفات پائی، سیف الدولہ کی مجلس میں ان کی متنبی سے نوک جھونک رہتی۔(۸) عسقلانی : شیخ الاسلام امیر المومنین فی الحدیث، حافظ العصر شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی المعروف بابن حجر، آل حجر ایک قوم ہے جو فارس کی زمین میں بلاد الجرید کے آخری حصے میں آباد ہے۔ان کی شرح کا نام فتح الباری میں ہے جو تیرہ جلدوں میں مصر میں چھپ چکی ہے۔(۹) سورۃ آل عمران : ۱۵۴(۱۰) شیخ الاسلام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی اور النواوی بھی بولتے ہیں، حافظ حدیث اور زاہد تھے، پیدائش ۶۳۱ھ اور وفات ۶۷۶ھ (۱۱) فتح الباری، ج ۷، ص ۱۱۲، مطبعۃ الکبریٰ المبریہ ۱۳۰۰ھ میں یہ عبارت یوں دی ہے : وضابط آخرہ غالب فتح مکہ۔(۱۲) بلوغ الارب بحوالہ بالا ج ۱، ص :۳۱(۱۳) سورۃ الفرقان :۲۶ (۱۴) بلوغ الرب، بحوالہ بالا ج ۱، ص : ۳۱ (۱۵) سورۃ النساء : ۱۷، (۱۶) بلوغ الرب بحولہ بالا جلد ۱، ص : ۳۲۔۱۳ (۱۷) سورہ (۱۸) الاحزاب ۳۳ (۱۹) حکم بن عیینہ ، اصل کتاب میں اسی طرح دیاہے مگر درست نام حکم بن عتیبہ ہے۔الحکم بن عتیبہ (بشاۃ مصغرا) الکندی الکوفی مشہور علماء میں سے تھے، انہوں نے ابو حنیفہ، عبدالرحمن بن ابی لیلی اور کئی ایک لوگوں سے روایت کی اور ان سے منصور، اعمش اور ابو عوانہ وغیرہ نے، عجلی کہتے ہیں یہ ثقہ اور ثبت تھے، صاحب سنت تھے، ۶۵ سال کی عمر میں ۱۱۵ھ میں وفات پائی۔(۲۰) ابن عباس، عبداللہ بن ابن عم رسول ﷺ جرامت لقب ۶۸ھ میں وفات پائی۔ (۲۱) کلبی محمد بن السائب الکلبی الکوفی ابو صالح باذام سے روایت کی اور ان سے ابن مبارک وغیرہ نے ان کی بات کو صرف تفسیر میں پسند کیا گیاہے۔۱۴۶ھ میں وفات پائی۔(۲۲) ثعلب کتاب میں اسی طرح دیاہے مگر بہتر ادلبی ہے۔ابو اسحٰق احمد بن محمد بن ابراہیم النیشاپوری المفسر ، حافظ واعظ اور تفسیر کے سردار تھے۔ابن خلقان نے انہیں تفسیر میں یکتائی روزگار کہاہے۔ تفسیر کبیر لکھی۔ان کی ایک اور تصنیف کتاب العرائس فی قصص الانبیاء ہے۔ثعلبی یا ثعالبی ان کا لقب ہے نسبت نہیں، ۴۲۷ھ میں وفات پائی، یاد رہے کہ اسی زمانے میں ایک اور ثعالبی بھی ہوئے ہیں جن کا نام ابو منصور عبد الملک بن محمد النیشاپوری الثعالبی ہے۔ یہ ادیب اور شاعر تھے یتیمۃ الدھر اور فقہ اللغۃ ان کی تصانیف ہیں۔۴۳۰ھ میں وفات پائی۔ (۲۳) ابو العالیہ رفیع بن مہران الریاحی ابو العالیۃ البصری امام اور مخضرم ہیں۔انہوں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز پڑھی، ماوراء النہر میں سب سے پہلے انہوں نے اذان دی، ۹۰ھ میں وفات پائی۔(۲۴) مجاہد بن جبر المکی، ابن عباس کے خاص شاگرد اور تفسیر کے بڑے عالم تھے۔اسی سال سے اوپر عمر پاکر ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔(۲۵) ابن عطیہ ان کا کہیں پتہ نہ چل سکا غالباً درست ابن علیہ ہے۔ اسمٰعیل بن ابراہیم الاسدی القرشی، علیہ ان کی والدہ کا نام ہے۔حافظ ثقہ، ثبت اور امام تھے۔ شعبہ نے انہیں "ریحانۃ الفقہا" کہا ہے۔ولادت ۱۱۰ھ اور وفات ۱۹۳ھ (۲۶) بلوغ الرب بحوالہ بالا جلد ۱، ص : ۳۶۔۳۷ (۲۷) الحیاۃ الاجتماعۃ فی الشعر الجاھلی ، الدکتور فاطمہ عبدالفتاح بیروت دار الفکر ۱۹۹۱ء ص :۸(۲۸) دراسات فی تاریخ الادب العربی، ص : ۴ (۲۹) الحیاۃ الاجتماعیۃ فی الشعر الجاھلی، بحوالہ بالا ص ۹ (۳۰) ایضاً ص : ۵۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وفاق المدارس العربیہ کے فضلاء اور علماء کیلئے ایک

عظیم خوشخبری

ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد چنیوٹ کے زیر اہتمام

دو سالہ تخصص ردقادیانیت

عقیدہ ختم نبوت، حیات عیسیٰ علیہ السلام، سیرت مرزا اور دیگر اہم دینی وعصری موضوعات پر ماہرین فن کی زیر نگرانی سیر حاصل بحث، مقالہ نویسی اور انگریزی بول چال میں مہارت حاصل کرائی جائیگی۔ ایک ہزار روپے ماہوار وظیفہ کے علاوہ رہائش، خوارک، علاج اور تربیت کا اعلیٰ انتظام، فراغت کے بعد بیرون ملک ختم نبوت کے مراکز میں کام کرنے کیلئے بھجوانے کی بھرپور کوشش کی جائیگی۔

داخلہ: ۱۰ تا ۲۵ شوال (۲۹ جنوری تا ۱۳ فروری ۱۹۹۹ء) درخواستیں وصول کی جائیں گی۔ ۳۰ شوال ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۸ فروری ۱۹۹۹ء کو انٹرویو ہوگا۔ نشستیں مخصوص ہیں۔ صرف ۱۰ خواہشمندوں کو میرٹ پر داخلہ دیا جائیگا۔ دورہ حدیث شریف میں درجہ ممتاز حاصل کرنے کے ساتھ میٹرک پاس فضلاء کو ترجیح دی جائیگی۔ اس نادر موقع سے فائدہ اٹھانے کیلئے اپنی درخواست مع تعلیمی اسناد، شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور دو عدد پاسپورٹ سائز فوٹو بنام ناظم ادارہ ارسال کریں یا دفتری اوقات میں خود تشریف لائیں۔

المشتہر: (مولانا) منظور احمد چنیوٹی (ایم پی اے)

ناظم ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد چنیوٹ پاکستان

فون: 332820 فیکس: 331330

یاد رفتگان

جناب شاہ بلیغ الدین حال ٹورانٹو

مولانا محمد طاسینؒ! ایک محقق اور اجتہادی نظر کے عالم

میں اکتوبر ۱۹۹۸ء سے یہاں ہوں۔ امکان ایسا ہے کہ اپنی تبلیغی مصروفیات میں یہاں سال بھر سے زیادہ قیام ہو جائے گا۔ مولانا طاسین مرحومؒ پر ایک مضمون مرسل ہے۔ کراچی سے خط آیا تو انکی وفات کی افسوناک اطلاع ملی۔ اگر ممکن ہو سکے تو الحق یہاں کے پتے پر ایک سال کیلئے جاری کر دیجئے۔ پارلیمنٹ ہاؤس میں تو مولانا سمیع الحق صاحب سے ملاقاتیں ہوتی رہیں لیکن ان کے رسالہ "الحق" کا مولانا ہی نے مجھ سے تعارف کرایا تھا۔ پھر یہ پرچہ میرے پاس آنے لگا اور میں نے اسمیں لکھنا شروع کیا۔ یہ مضمون بھی میں اس لئے الحق کو بھیج رہا ہوں

ٹورانٹو (شمالی امریکہ) میں مولانا طاسین کی رحلت کی اطلاع ملی بے اختیار زبان سے نکلا کہ لو! مولانا نے بھی رخت سفر باندھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر غالب کا ایک شعر بے اختیار زبان پر آیا

؎ داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

مولانا یوسف بنوریؒ کے بعد مولانا طاسینؒ کی رحلت ان کے خاندان کیلئے تو بڑا نقصان ہے ہی مگر ملک اور علمی دنیا کیلئے یہ اس سے کہیں بڑا نقصان ہے۔ مولانا بڑے شریف اور بڑے خود دار آدمی تھے۔ میں نے پہلی مرتبہ ان کو دیکھا تو وہ زیادہ سے زیادہ پینتیس (۳۵) کے پیٹے میں ہونگے۔ سرخ و سفید رنگت، بیضوی چہرہ، منور آنکھیں، کشادہ پیشانی، ستواں ناک، پتلے اور بستہ ہونٹ، چمکتے دانت، بھرواں داڑھی، سر پر گھنے بال تھے مگر ٹوپی اوڑھتے، یہ قراقلی کی ٹوپی ہوتی۔ میں نے انہیں ہمیشہ شیروانی میں ملبوس دیکھا۔ کرتا شلوار ہوتی اور پاؤں میں بوٹ۔ مولانا جب ملتے جہاں ملتے ٹوٹ کے ملتے تھے۔ چہرے پر ہمیشہ ایک شگفتگی سی ہوتی تھی۔ ملنسار اور وضع دار آدمی تھے مگر بڑے لئے دیے رہتے۔ مولانا کا قد کچھ بہت زیادہ اونچا نہیں تھا مگر جتنا قد تھا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ اعضاء بھی بڑے متناسب تھے۔ عبا قبا میں انہیں میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ بہت صاف ستھرے رہتے۔ عطر کا بھی شوق تھا۔ عطر کا تحفہ لے کر بڑے خوش بھی ہوتے تھے۔ وہ سکہ بند مولویوں کی طرح تھے ہی نہیں۔ دکھاوا ان میں نام کو نہیں تھا۔ روپے پیسے کی حرص یا جاہ و منصب کی تمنا انہیں

تھی ہی نہیں۔ وہ مجلس علمی کے ڈائریکٹر تھے اور ٹاور کے پاس اس کا جو کتب خانہ تھا یہیں بیٹھتے اور لکھنے پڑھنے میں لگے رہتے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ایک ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علماء جو سرکار دربار میں رسائی کیلئے کوشاں رہتے ہوں ان سے دور رہنے میں بھلائی ہے۔ پاکستان میں ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے عجیب عجیب مناظر آئے ہیں۔ انگریز کے دور میں بکنے والے علماء سو کے نام تو مؤرخین نے لکھ دیئے۔ پاکستان کی پچاس سالہ تاریخ میں بھی بڑے بڑے طالع آزما علماء سو ابھرے اور ڈوبے۔ عورت اور مرد حکمرانوں کے دربار میں اچھی خاصی نیلامیاں ہوتی رہی ہیں۔ مولانا طاسینؒ جب چاہتے نظریاتی کونسل اور شریعت کورٹ میں آجاتے۔ وہ اس کے اہل تھے اور دونوں جگہ ان کی شرکت ان اداروں کیلئے باعث عزت ہوتی۔ بلا سود بنکاری کی راہ نکالنے کے لئے مولانا نے بہت کچھ سوچا اور بہت کچھ لکھا۔ عہد حاضر کے معاشی مسائل اور مالیاتی الجھنوں پر جتنی ان کی نظر تھی کم دوسروں میں دیکھنے میں آئی۔ سود، ربا، شراکت، مضاربت، بلا سود بنکاری اور صنعتوں کے مسائل، زکوٰۃ کے تعلق سے ان کے جو مضامین فکر و نظر اسلام آباد اور ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک میں چھپ چکے ہیں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ مضامین اب کتابی صورت میں بھی شائع ہو گئے ہیں کیونکہ جب میں کراچی سے چلنے والا تھا تو مولانا نے اپنی آخری ملاقات میں فرمایا تھا کہ کتاب بس آیا ہی چاہتی ہے۔ جیسے ہی آئے ایک نسخہ آپکو بھیج دونگا۔ مولانا بے شک ہماری دینی درسگاہوں کے پڑھے لکھے غیر معمولی طالب علموں میں شامل تھے۔ مطالعہ کی کثرت نے انہیں تحقیق اور کرید (Research) کی طرف مائل رکھا۔ وہ اپنے بزرگوں اور استادوں کا بڑا ادب کرتے تھے، لیکن تابع مہمل شاگردوں میں شامل نہیں تھے۔ پاکستان میں ان کا تعلق چوٹی کے علماء سے تھا۔ مولانا یوسف بنوری ان کے خسر بھی تھے۔ لیکن مفتی محمد شفیعؒ، مفتی محمودؒ اور مولانا سیالوی اور سعودی عرب و عراق کی بعض بڑی شخصیتوں کے ساتھ ان کا زیادہ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ اس لئے ان میں تدبر و تفکر کا بیش بہا انداز پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے ڈاکٹریٹ کیلئے کام کرنے والے کئی طالب علموں کو ان سے استفادہ کرتے دیکھا۔ کراچی یونیورسٹی کے شعبہ عربی اور دینیات کے لئے اساتذہ کے انتخاب میں ان کی رائے کو بڑی اہمیت دیجاتی تھی۔ مولانا طاسین سے میری واقفیت ۴۹ء سے تھی

۔اس زمانے میں مجھے کسٹم ہاوز اور کراچی پورٹ ٹرسٹ کی طرف جانے کا اکثر اتفاق ہوتا تھا۔ ٹاور کے بالکل سامنے ایک بوسیدہ سی عمارت کی بالائی منزل پر ایک جگہ مجلس علمی کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ بورڈ بھی عمارت ہی کی طرح سالخوردہ تھا۔ کراچی کے جغرافیہ سے ابھی میں اچھی طرح روشناس بھی نہیں تھا لیکن کہیں کان میں یہ پڑی کہ مجلس علمی کی لائبریری اچھی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس شاہراہ پر پاس ہی دو کتب خانے تھے۔ ایک لیاقت لائبریری تھی جو بڑی شاندار سنگ سرخ کی عمارت میں تھی۔ یہ لیاقت مرحوم کے نام سے سرکاری موسوم تھی۔ مجلس علمی کا کتب خانہ جامعہ ڈابھیل سے یہاں منتقل شدہ کتب کا ذخیرہ تھا۔ میاں برادرس یا (Miyabros) ایک کاروباری پارٹی تھی جو مولانا یوسف بنوری سے عقیدت رکھتی تھی، اس نے اس مجلس علمی اور لائبریری کو اپنی مالی امداد سے زندہ رکھا تھا۔ ایک دن میں دوپہر کا وقت گزارنے کیلئے مجلس علمی کے کتب خانے میں گیا اور اس پہلی چکر میں کتابوں کی الماریوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پرانے پرچوں کے فائل دیکھے تو اندازہ ہوا کہ یہاں اردو اور عربی کتابوں کا نادر ذخیرہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ذخیرہ جامعہ ڈابھیل سے آیا تھا تو اس کے شایان شان تھا۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد، مصر اور بیروت کی طبع شدہ ایسی ایسی کتابیں یہاں موجود تھیں جن کا وجود اس وقت کراچی میں کہیں نہیں تھا۔ ابھی نہ کراچی یونیورسٹی کی لائبریری نے دانت نکالے تھے نہ اسٹیٹ بنک کی لائبریری بنی تھی خالد اسحاق اور میاں رشید کے کتب خانوں کا بھی وہ ابتدائی زمانہ تھا۔ اندرون سندھ البتہ کچھ ذاتی کتب خانے بڑے قیمتی تھے لیکن مجھ جیسے نووارد طالب علم کا وہاں گزر ممکن نہ تھا۔ حسام الدین راشدی کا کتب خانہ اور اردو کالج یا انجمن ترقی اردو کے کتب خانوں پر بھی ابھی شباب نہ آیا تھا۔ لائبریری کے دوسرے یا تیسرے پھیرے ایک دن عبداللہ المدنی سے وہاں آمنا سامنا ہوا۔ وہ اس زمانے میں اپنی کتاب افریقہ ! ایک چیلنج ! لکھنے میں مصروف تھے۔ میری ان کی حیدر آباد کی یاد اللہ تھی۔ انہوں نے پوچھا۔ مولانا طاسین سے ملاقات ہے۔ میں نے کہا۔ سرسری! بولے : آئیں ! میں آپ دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرواتا ہوں۔ مولانا طاسین کی میز پر ہم تینوں نے ایک ساتھ چائے پی۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کی لائبریری میں مولانا عبدالقدوس ہاشمی اور یہاں کراچی میں مولانا طاسین کتب خانے کے

ایسے ناظم تھے جو خود چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا تھے۔ مولانا طاسین کی خوبیاں جیسے جیسے مجھ پر کھلتی گئیں مجھے خیال پیدا ہوا کہ ان کو تو کسی یونیورسٹی میں ہونا چاہئیے تھا۔ انہیں دیکھ کر مجھے اکثر جامعہ عثمانیہ کے بزرگ اساتذہ مولانا عبدالقدیرؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ یاد آجاتے تھے۔ مولانا طاسین صاحبؒ کا تعلق صاحبان علم کے اس گروہ سے تھا جو عالم اور محقق ہونے کے ساتھ ساتھ ہی عابد ان شب زندہ دار بھی تھے۔ مولانا عبداللہ شاہ صاحب (مولف زجاج المصابیحؒ) مولانا جعفر شاہ پھلواری، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا سلیمان ندویؒ کیطرح مولانا طاسین کے چہرے میں بھی بڑی نورانی جھلک تھی۔ ریڈیو پاکستان کے ایک ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل تھے۔ حمید نسیم صاحب انکا نام تھا ریڈیو پاکستان کے دینی پروگراموں کے سلسلہ میں ان سے ملاقات رہتی تھی۔ مولانا طاسینؒ بھی ریڈیو آتے جاتے رہتے تھے۔ حمید نسیم صاحب نے کلام پاک پر دو چار جلدوں میں تفسیری نوٹس لکھے ہیں۔ مولانا طاسینؒ سے انہوں نے بڑا استفادہ کیا تھا۔ اپنی آپ بیتی (ناممکن کی تلاش میں) وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ انہیں موت کے تصور سے ڈر ہوتا تھا۔ شاگردی کے اس دور میں انہوں نے ایک بار مولانا سے اسکا ذکر کیا۔ مولانا ان کی بات سنتے رہے پھر چپکے سے فرمایا! میری آنکھوں میں جھانک کر دیکھو۔ حمید نسیم مرحومؒ کا کہنا ہے کہ پھر انکے دل سے یہ ڈر جاتا رہا بہت دنوں بعد ایک مرتبہ مجھے ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ سے ایک حوالہ کی ضرورت پڑی۔ میں اکثر مولانا کو ایسی زحمتیں دیتا رہتا تھا اور وہ سب کام چھوڑ کر خوشی سے میرا یہ کام کر دیتے تھے اور میں انکا شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیتا تھا۔ اس دن حمید نسیم کی بات یاد آئی تو میں نے کہا۔ عام ہیں اس کے تو الطاف شہیدی سب پر　ہم سے کیا ضد تھی اگر ہم کسی قابل ہوتے! فرمایا! میں سمجھا نہیں! یہ سمجھ گیا کہ کچھ گلہ ہے آپ کو! میں نے اس موقع کا حوالہ دیا۔ مولانا بات ٹال گئے۔ اصرار کرنا میں نے بھی مناسب نہ سمجھا۔ ان میں نام کی غرور علم اور کبر پارسائی نہ تھا۔ ذہن سلجھا ہوا اور کھلا ہوا تھا۔ میں نے ہمیشہ انہیں شگفتہ مزاج پایا۔ تقشف اور خشتونت ان میں بالکل نہیں تھی۔ مولانا کو میری ریڈیو اور ٹی وی کی تقریریں پسند تھیں۔ میری کتاب طوبیٰ پر انہوں نے تبصرہ بھی لکھا۔ سیرت فاؤنڈیشن ٹرسٹ آف پاکستان کی مجلس نظماء میں مولانا ناظم ندوی، مولانا قیصر شاہ

پھلوداری کے ساتھ مولانا طاسینؒ بھی شامل تھے۔ انہی کی وجہ سے ایک مرتبہ ٹرسٹ کے لئے خصوصی جلسے میں مولانا یوسف بنوریؒ نے بھی شرکت کی تھی۔ مولانا طاسینؒ ہی کی وجہ سے میں حضرت یوسف بنوریؒ سے قریب ہو سکا۔ وہ بلاشبہ اس دور کے بڑے محدث تھے۔ انہوں نے جامع ترمذی کی جو شرح لکھی ہے وہ علمی دنیا میں بہت مقبول ہے اپنے صاحبزادے محمد بنوری کی شادی کی تقریبات میں اپنے پاس ہی بٹھاتے اور بڑا اکرم فرماتے تھے۔ فرماتے! میں نیو ٹاؤن کا مدرسہ خود آپ کو دکھاؤنگا۔ ایک خاص مرحلے پر سیرت فاؤنڈیشن کے خصوصی جلسے میں جو کراچی کی جبیس (JABEES) ہوٹل میں منعقد ہوا تھا مجھ سے بر ملا فرمایا! آپ قدم بڑھائیں۔ میں آپ کے پیچھے ہوں۔ فاؤنڈیشن کی ایک سیرت کانفرنس جو نشتر پارک کراچی میں ہوئی اسمیں مولانا بنوریؒ نے صدارتی تقریر بھی کی۔ مولانا طاسینؒ کے بارے میں ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: وہ میرا دماغ ہے۔ مولانا طاسینؒ ان کے بڑے چہیتے داماد تھے۔ ایک زمانے میں مولانا طاسینؒ کراچی کے نامور ایڈوکیٹ خالد اسحاق صاحب کی محفلوں میں پابندی سے جاتے تھے۔ سنا وہاں کراچی کے اور بھی علوم وفنون کے واقف کار آئے تھے مگر مولانا طاسینؒ کی بات ہی کچھ اور تھی۔ ان کی باتوں میں حکمت و موعظمت تھی۔ وہ بحث برائے بحث کے قائل نہیں تھے۔ ؎

جب انجمن میں بیٹھ گیا رونق آگئی　　کچھ آدمی ریاض عجب دل لگی کا تھا

کچھ دنوں تک وہ ادارہ تحقیقات علمی کے جلسوں میں بھی جاتے رہے۔ وہاں مالی مسائل پر طاسینؒ صاحب کی بحثیں بڑے کانٹے کی ہیں بڑا اچھا ہوا کہ مولانا نے انہیں ایک جگہ کتابی صورت میں مرتب کر دیا۔ وہ بڑے نکتہ اس اور اجتہادی نظر کے عالم تھے۔ ان کی یہ کتاب یادگار رہے گی۔ ۹۵ء کے بعد مولانا طاسینؒ اور مجلس علمی کا کتب خانہ ٹاور سے بنوری ٹاؤن آگیا تھا۔ مولانا پچھلے دو تین برسوں میں دوبار سخت بیمار پڑے۔ جب میں ٹورانٹو کے سفر پر نکلنے والا تھا تو فون پر بات ہوئی۔ فرمایا! ؎ بسفر رفتنت مبارکباد　　بسلامت روی و باز آئی

پھر فرمایا کتاب بھیج رہا ہوں۔ کتاب مل گئی لیکن مولانا سے نہ ملنے کا دکھ رہے گا۔ ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم　　تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے؟

حکیم محمد سعید شہیدؒ کا شریعت بل کے حوالہ سے ایک تاریخی مکتوب

حکیم محمد سعید شہیدؒ صاحب کا شریعت بل کے حوالہ سے ایک تاریخی خط جو انہوں نے ۱۹۹۱ء میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے نام بھیجا تھا اس وقت سینٹ آف پاکستان میں مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے شریعت بل پیش کیا تھا اور پھر بڑی جدوجہد کے بعد بالآخر سینٹ آف پاکستان نے اس کو بھاری اکثریت کیساتھ منظور بھی کیا تھا، لیکن قومی اسمبلی کے فلور پر موجودہ مسلم لیگی حکمران (نواز شریف وغیرہ) نے ترامیم کرا کر اسکی اصل روح اور افادیت ختم کردی تھی اب دوبارہ بھی انہوں نے شریعت بل کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا ہے۔ حکمرانوں کی ان ڈرامہ بازیوں پر حکیم صاحبؒ نے روشنی ڈالی ہے۔ قارئین الحق کیلئے یہ تاریخی خط پیش خدمت ہے (ادارہ)

جناب محترم مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ کے آٹوگراف کے ساتھ "شریعت بل کا معرکہ" کا نسخہ مل گیا ہے۔ میں اس لطف وکرم کے لئے ممنون ہوں۔ یقیناً یہ ایک نہایت مفید ریکارڈ ہے کہ جو یکجا ہو گیا ہے میں شریعت بل کے بارے میں آپ کی جدوجہد کو بہت احتیاط واحترام کے ساتھ دیکھتا رہا ہوں اور موجودہ ترامیم کردہ بل سے آپ کی بے اطمینانی بھی مجھے معلوم ہے۔ پاکستان میں نفاذ شریعت کے باب میں یقیناً سیاسی جذبہ (پولٹیکل ول) لازمی ہے اور اقتدار کا مزاج یقیناً نظام شریعت اسلامی سے علی الاعلان ہم آہنگ ہونا چاہئیے کہ اس کے بغیر دوسرے اقدامات کے غیر مؤثر ہونے کے خطرات لاحق رہتے ہیں۔ بہ ایں ہمہ میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ فقط پارلیمان کے فیصلے یا محض اسمبلیوں کی قرار دادیں یا سیاسی بیانات یا تنقیدیں اور تبصرے مسئلے کا حل نہیں ہو سکتے۔ نفاذ شریعت کے لئے ایک مربوط منصوبے کو حتمی صورت دے کر اس پر احتیاط سے پہل قدمیاں اور پیش قدمیاں ہی صحیح حل ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ صاحبان فکر ونظر نے مسئلہ اہم پر ہنوز اس انداز سے غور نہیں کیا ہے اور نہ عمل پیہم کے لئے کوئی منصوبہ بنایا ہے۔ چند ماہ ہوئے عالی جناب وزیر اعظم صاحب نے ایک اجتماع میں مجھ سے سوال کیا کہ حکیم صاحب! آپ کی رائے میں کیا کرنا چاہئیے؟ میرا جواب تھا۔ کردار سازی! آپ

جیسے متحرک انسان کو انداز فکر میں انقلاب آفرینی کا سامان کرنا چاہئیے اور نہایت احتیاط، جامعیت اور مقصدیت کے ساتھ کردار سازی کا منصوبہ تیار کرنا چاہئیے اور اس منصوبے میں ہر شعبۂ زندگی میں آغاز کا اہتمام کرنا چاہئیے۔ اس کے لئے یقیناً صاحبان فکر و نظر کی ایک "اسمبلی" کو وجود دینا ہوگا جس کے اراکین کا تعلق ہر شعبہ زندگی سے ہونا ضروری ہے اور یہ سب مل کر منصوبہ بنانے کے ساتھ خاکہ عمل بھی تیار کریں اور اس خاکہ عمل کے نفاذ کیلئے اقتدار کی طاقت کو ساتھ رکھا جائے۔ مثال کے طور پر آئمہ مساجد کو کردار سازی کی مہم میں شریک کیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ وہ اپنے خطبات میں یہ تبلیغ کریں۔ ظاہر ہے کہ آئمہ مساجد سے بات عالی جناب نواز شریف صاحب نہیں کر سکیں گے۔ اس کے لئے آپ حضرات کرام کی ضرورت ہوگی۔ اگر ہم ایک سال تک آئمہ مساجد کو دردمندی کے ساتھ شریک کرلیں تو مساجد سے ایک فکری انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ پرائمری اسکولوں سے کردار سازی کا آغاز کرنے کیلئے ہمیں پرائمری ٹیچر سے دوستی کرنی ہوگی اور اس دوست کو فکری اور تعمیری لٹریچر بہ کثرت فراہم کرنا ہوگا۔ یہ لٹریچر تیار کرنا اور پھر سرکاری سرمائے سے یا صاحبان دل کے تعاون سے لاکھوں کروڑوں چھپوا کر اسکول پہنچانا کردار سازی کا ایک طریق کار ہے۔ اسی طرح کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لئے ایسا منصوبہ تیار کرنا چاہئیے کہ جو غیر محسوس طور پر وہاں طلبہ کو بلندی کردار پر آمادہ کر سکے، ظاہر ہے کہ اس کیلئے اساتذہ کو دوست بنانا ہوگا نیز خود طلبہ کیلئے دست دوستی دراز کرنا ہوگا!

میں اس موضوع پر واضح خیالات رکھتا ہوں اور یقیناً صاحبان فکر و عمل کے ساتھ بیٹھ کر ایک منصوبہ تیار کرنے میں مدد دے سکتا ہوں۔ مگر اس کیلئے عالی جناب وزیر اعظم صاحب کو ساتھ دینا ہوگا۔ اور وزیر اطلاعات کو ساتھ لینا ہوگا۔ صرف ایک ٹیلی وژن پر اقوال اقبالؒ اور اقوال قائد اعظم وغیرہ کا گاہے گاہے دینا آپ جانتے ہیں کہ کس قدر غیر موثر ہے۔ ٹیلی وژن سے اگر کردار سازی کرانی ہو تو گہرائیوں سے غور کرنا ہوگا کہ اس کا کوئی ایک پروگرام بھی کردار سازی کی صنعت سے خالی نہ ہو۔ میری رائے ہے کہ عالی جناب وزیر اعظم صاحب کو بھی آپ باور کرادیجئے کہ فقط شریعت بل پاس کرانے سے یا اس ذیل میں بلند بانگ دعاوی سے نیز احتجاجات سے کوئی

انقلاب برپا نہیں ہوگا۔ شریعت کی روشنی میں منصوبہ سازی کرنا اور اس کو بر سر عمل کرنا ہی حاصل شریعت ہو سکتا ہے۔ ورنہ خود آپ نے فرمایا کہ پارلیمان میں ایک مذاق تھا جو ہو چکا!
عالی جناب وزیر اعظم صاحب ایک راولپنڈی شہر کی ترقی و تعمیر کے لئے اور زیبائش کے لئے بیس کروڑ روپے منظور کر سکتے ہیں تو کیا وہ نفاذ شریعت کے لئے کوئی ایسا ہی اقدام نہیں کر سکتے ؟
(الف) ایک سو ذہین انسانوں کی مجلس قائم کرنی چاہیئے جس میں ہر شعبہ زندگی کے عظیم انسان ہوں۔ (ب) ان کے اپنے شعبہ کے متعلق منصوبہ بنانے کے لئے کہا جائے۔ (ج) جب وہ خاکہ تیار کر لیں تو اس "اسمبلی" کو ایک مہینہ یکسو ہو کر بیٹھ جانا چاہیئے اور ہر خاکہ عمل پر تبادل خیال کر کے اسے حتمی صورت عمل دیدی جائے۔ (د) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ایک شعبہ حیات کو لیا جائے اور اس سے متعلق ۱۰۔ ۱۰ آدمیوں کو ۱۰۔ ۱۰ دن کے لئے یکجا کر لیا جائے اور منصوبہ عمل تیار کر لیا جائے۔ (ہ) عالی جناب وزیر اعظم صاحب رقم دیں اور حکومت کی غیر محسوس تائیدوں کے ساتھ عمل کا آغاز کر دیا جائے۔ اگر ایک سال اس انداز فکر کے ساتھ عمل کا میدان سر کر لیا جائے تو آنے والے ایک دو سال مزید انقلاب کی نوید لائیں گے۔ ذرا آپ جائزہ لیجئے کہ کیا جناب وزیر اعظم صاحب یہ "جوا کھیلنے" کو آمادہ ہیں ؟ ان کی نیت کیا ہے ؟ غالباً میں یہ باور کرانے میں حق بجانب ہوں کہ محض ایک غیر موثر شریعت بل کا پاس ہو جانا ایک غیر موثر اقدام ہے۔ سیاسی شہرت کا عنوان تو یہ ہو سکتا ہے مگر کردار سازی اور انقلاب آفرینی اس سے ممکن نہیں ہو سکتی۔ اگر ہمارے لیل و نہار یہی رہے تو ہم ۴۴ سال سے جس طرح بھٹک رہے ہیں آنے والے ۴۴ سال بھی اسی طرح بھٹکتے رہیں گے۔ بہ احترامات فراواں۔
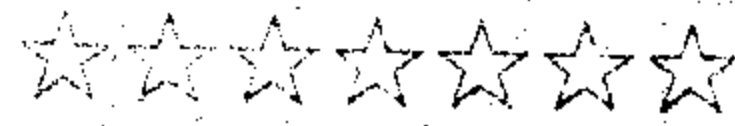
☆☆☆☆☆☆☆

بحث و نظر

سلسلہ نمبر 2

جناب مفتی مختار اللہ جہانگیروی حقانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

اختلاف مطالع کے اعتبار و عدم اعتبار کی تحقیق

(قسط نمبر 1)

(۱) سائنسی تحقیقات کے مطابق چاند زمین کے گرد گردش کرتا ہے اور زمین سورج کے گرد گھومتی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض ممالک میں سورج طلوع ہوتا ہے اور بعض مقامات میں عین اسی وقت سورج نصف النہار پر ہوتا ہے اور کہیں سورج کے غروب کا منظر دکھائی دیتا ہے، جبکہ بعض جگہوں میں رات کا اندھیرا چھایا ہوتا ہے، سورج کے ان مختلف مقامات میں خروج کو مطلع کہا جاتا ہے جسکی جمع مطالع ہے۔ (۲) اسی طرح سائنس کی تحقیق یہ بھی ہے کہ چاند کی اپنی ذاتی روشنی نہیں بلکہ اسکی یہ روشنی سورج کیشعاؤں سے حاصل ہے، چاند کے جتنے حصے پر سورج کی شعائیں پڑتی ہیں تو چاند کا وہی حصہ ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ تو ظاہر بات یہ ہے کہ سورج کے ان مختلف مطالع کی بناء پر چاند کے ظہور کے مقامات بھی مختلف ہیں اور اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے چنانچہ محقق العصر علامہ ابن عابدین شامیؒ وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں: واعلم ان نفس اختلاف مطالع لانزاع فیه بمعنی انه قدیکون بین البلد تین بعد بحیث یطلع الهلال کذافی احدالبلدتین دون الاخری وکذا مطالع الشمس لان انفصال الهلال عن شعاع الشمس یختلف باختلاف الاقطار حتی اذا زالت الشمس فی المشرق لایلزم ان تنزول فی المغرب وکذا طلوع الفجر وغروب الشمس درجة فتلک طلوع فجر لقوم وطلوع شمس لآخرین وغروب لبعض ونصف لیل لغیرهم۔ (ردالمحتار ۲ / ۳۹۳) اور نہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے اس لئے کہ اس برق رفتار دور میں ہر ایک شخص دنیا کے مختلف ممالک کے اوقات سے باخبر ہے۔

اختلاف مطالع کو اعتبار: لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس اختلاف کو اعتبار ہے یا نہیں؟ اس بارے

میں علماء امت کی مختلف اراء ہیں۔ (۱) جمہور فقہاء اور محدثین کی رائے یہ ہے کہ اس اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ اہل مغرب کی رؤیت اہل مشرق کے لئے حجت ہے۔ (۲) بعض علماء دور دراز ملکوں میں اس اختلاف کا اعتبار کرتے ہیں اور قریبی ممالک میں اسکا اعتبار نہیں کرتے لیکن اس بُعد کی تحدید میں کافی اختلاف ہے۔

(۱) جس مسافت میں قصر کی جاتی ہے یعنی (۴۸ میل) وہ بلاد بعیدہ ہیں اور جس میں اتنی مسافت نہیں وہ قریبہ ہیں۔ (نووی شرح مسلم ۱/۳۴۸) (۲) جہاں جہاں مطلع میں اتحاد ہو وہ قریبہ اور جہاں مطلع مختلف ہو جائے تو بعیدہ (نووی شرح مسلم ۱/۳۴۸) (۳) دنیا کے مختلف اقالیم ہیں ایک اقلیم کے ممالک بلاد قریبہ ہے اور جب اقلیم مختلف ہو جائے تو بعیدہ ہے۔ (نووی شرح مسلم ۱/۳۴۸) (۴) ایک ماہ یا زیادہ کی مسافت (باندازہ ۴۸۰ میل شرعی) بعید ہے اور اس سے کم قریب ہے۔ (ردالمحتار ۲/۳۹۳) (۵) خراسان اور اندلس کے درمیان فاصلہ کی مقدار تقریباً ۳ ہزار میل ہے) بعید ہے اور اس سے کم ہو تو قریب (تحفہ الاحوزی ۲/۳۶) (۶) مدینہ اور شام کے درمیان فاصلہ جو تقریباً ۴ سو میل بنتا ہے بعید ہے اور اس سے کم ہو تو قریب۔ (اسلام اور جدید دور کے مسائل ص: ۱۲۹) (۷) ایک ملک کے جملہ شہر آپس میں قریب اور دوسرا بعید ہے (تحفہ الاحوزی ۲/۳۸) (۸) رائے مبتلی بہ کا اعتبار ہے مبتلی بہ جس کو بعید سمجھے بعید اور جس کو قریب سمجھے قریب ہے۔ (عرف الشذی علی الترمذی ۱/۱۴۹)

(۹) امارات اسلامی میں جتنی ریاستیں داخل ہوں وہ سب قریب ہیں اور جو اس کے علاوہ ہوں وہ بعید ہیں۔ (تحفہ الاحوزی ۲/۳۷) (۱۰) علامہ تبریزی فرماتے ہیں کہ ۲۴ فرسخ سے کم مسافت میں اختلاف مطالع ممکن نہیں اور اس کے علاوہ ممکن ہے۔ (ردالمحتار ۲/۳۹۳) (۳) اور تیسری رائے یہ ہے کہ اختلاف مطالع ہر جگہ معتبر ہے یعنی ہر مقام کے لئے اپنی اپنی رؤیت ضروری ہے دوسری جگہ کی رؤیت حجت نہیں۔ یہ رائے بعض علماء کا ہے جو کالعدم متصور ہے۔ اصل اختلاف اول اور ثانی کا ہے۔ مذاہب اربعہ کے اکثر علماء کی رائے قول اول کے مطابق ہے اور بعض کی اراء قول ثانی کی تائید کرتی ہیں۔

مذہب حنفی : علماء احناف کی اس بارے میں دو رائے ہیں۔ (۱) اکثریت کی رائے عدم اعتبار کی ہے جبکہ علامہ زیلعی اور صاحب بدائع وغیرہ کی رائے اختلاف مطالع کی اعتبار کی ہے چنانچہ علامہ زیلعی فرماتے ہیں۔ والاشبہ انه یعتبر لان کل قوم مخاطبون بما عندهم وانفصال الهلال عن شعاع الشمس یختلف باختلاف الاقطار والدلیل علی اعتباره۔ (تبیین الحقائق ۱/ ۳۲۱)۔ اسی طرح علامہ سید احمد الطحطاوی فرماتے ہیں : یختلف باختلاف المطالع واختاره صاحب التجرید وهوالاشبه لان انفصال الهلال من شعاع الشمس تختلف باختلاف الاقطار وهذاثبت فی علم الافلاک والهیأة واقل مایختلف به المطالع مسیرة شهر (طحطاوی حاشیہ مراضی الفلاح ص ۳۵۹) وهکذا فی بدائع الصنائع ۲ / ۸۳) مگر ان کے علاوہ جمہور فقہاء احناف کے نزدیک ظاہر مذہب عدم اعتبار ہے چنانچہ علامہ ابوالبرکات النسفی اور علامہ ابن نجیم بلکہ جملہ اصحاب متون یہی فرماتے ہیں۔ لا اعتبار لاختلاف المطالع قال ابن نجیم المصری تحت هذاالقول ۔ فاذا راه اهل بلدة ولم یره اهل بلدة اخری وجب علیهم ان یصوموا برویة اولئک عندهم بطریق موجب ویلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب ۔ (البحرالرائق ۲ / ۲۷۰) اور اسی رائے کو فقہائے کرام نے مفتی بہ اور ظاہر الراویۃ قرار دیا ہے لہذا چند تصریحات بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) علامہ قاضی خان فرماتے ہیں : ولاعبرہ لاختلاف المطالع فیظاہر الروایۃ (فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیۃ ۱ / ۱۹۸) (۲) علامہ طاہر بن عبدالرشید البخاری فرماتے ہیں : لاعبرة لاختلاف المطالع فی ظاہرالروایة وعلیه فتویٰ الفقیه ابی إلیث السمرقندی وبه کان یفتی شمس الائمة الحلوانی قال لو رای اهل المغرب هلال رمضان یجب الصوم علی اهل المشرق ۔ (خلاصۃ الفتاوی ۱ / ۲۴۹) (۳) علامہ حصکفی کا قول ہے : واختلاف المطالع غیرمعتبر علی ظاہرالمذهب وعلیه اکثرالمشائخ وعلیه الفتوی الدرالمختارعلی صدرردالمحتار(جلد ۲ / ۳۹۳)۔ (۴) علامہ زیلعی باوجود اس

کے کہ آپ اعتبار کے قائل ہے مگر وہ بھی اکثر مشائخ کی رائے عدم اعتبار کو نقل کرتے ہیں: علی انه لایعتبر اختلاف المطالع (تبیین الحقائق ۱/۳۲۱) (۵) علامہ سید احمد الطحطاوی فرماتے ہیں: قوله واختاره صاحب التجریدوهوالاشبه وان کان الاول اصح ۔ (طحطاوی ص ۵۴۱) (۶) علامہ عالم بن علاء الانصاری لکھتے ہیں: وعلیه فتوی الفقیه ابی اللیث وبه کان یفتی الامام الحلوانی وکان یقول لوراه اهل المغرب یجب الصوم علی اهل المشرق (فتاوی التاتارخانیہ ۲/۳۵۵)۔ (۷) علامہ ابن ہمام نے بھی ظاہر مذہب قرار دے کر اسکی ترجیح کی ہے۔ والاخذبظاہر المذہب احوط (فتح القدیر ۲/۲۴۳) (۸) صاحب فتاوی نور الھدیٰ فرماتے ہیں: لاعبرة وقیل یعتبرهو الاشبه کمافی تبیین لکن الفتویٰ علی الاول (فتاوی نور الھدی ص ۷۶) (۹) کنز الدقائق کے شارح علامہ مصطفیٰ بن ابی عبداللہ الطائی فرماتے ہے: لاعبرة باختلاف المطالع فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب وعلیه الفتویٰ (شرح الطائی علی ہامش رمز الحقائق شرح عینی کنز ۱/۸۱) (۱۰) خاتم محققین علامہ ابن عابدین الشامی فرماتے ہیں: وظاہرالروایة الثانی وهوالمعتمدعندنا وعندالمالکیة والحنابلة لتعلق الخطاب عاماً بمطلق الرؤیة فی حدیث صوموالرؤیة (ردالمحتار ۲/۳۹۳) تلک عشرة کاملة یہ دس ترجیحی اقوال قدیم فقہائے کرام کے بطور نمونہ پیش کئے گئے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں اور یہی مفتی بہ ہے ورنہ اس کے علاوہ بھی دیگر فقہاء کرام کے اقوال موجود ہیں جس سے عدم اعتبار کی تائید ہوتی ہے گویا کہ احناف کا ظاہر مذہب اور مفتی بہ قول اختلاف مطالع کے عدم اعتبار کا ہے۔

متاخرین احناف کی اراء: متاخرین فقہاء احناف میں علامہ شاہ انور شاہ الکشمیری، علامہ تقی امینی اور مولانا برھان الدین السنبھلی اختلاف مطالع کو اعتبار دینے کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کو مفتی بہ قرار دیا ہے لیکن اکثر فقہاء متاخرین بھی عدم اعتبار کو راجح قرار دیتے ہیں۔

(۱) مثلاً علامہ شیخ عبدالحی الکھنوی کا آخری فتویٰ۔

الجواب: اختلاف مطالع معتبر نیست وحکم یکجا مفید حکم بجائے دیگر میشود اگر خبر رؤیت ھلال

مشتہر شود وانتشار پزیر (مجموعۃ الفتاوی : ۳ / ۷۰) (۲) فقیہ العصر حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔ الجواب : اس سے معلوم ہوا کہ مفتی بہ قول یہی ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں۔ (امدار الفتاوی ۲ / ۱۰۷ (۳) مولانا اشرف علی تھانویؒ کا دوسرا فتویٰ۔ الجواب : قیاس تو مقتضی ہے اس کو کہ اختلاف مطالع ہو مگر حنفیہ نے بنابر قول علیہ السلام لانکتب ولانحسب (الحدیث) اس کا اعتبار نہیں کیا کہ خالی حرج وریاعت قواعد ھیسئت سے نہ تھا پس مقتضی حدیث مسطور کا یہ ہے کہ اختلاف مطالع مطلقاً معتبر نہ ہو، نہ قبل وقوع عبادت نہ بعد وقوع عبادت بلکہ ہر مقام کی رؤیت ہر مقاام کیلئے کافی ہو جائے، چنانچہ قبل وقوع عبادت تو کہیں بھی اعتبار نہیں کیا گیا ہاں بعض مواقع میں جیسے بعض بعض صورتج میں اس کا اعتبار کرنا بظاہر مفھوم ہو تا ہے مگر رائے ناقص میں وہ اعتبار اختلاف مطالع کا نہیں۔ الخ۔ (امداد الفتاوی ۲ / ۱۰۸) (۴) مفتی الھند مفتی کفایت اللہؒ کا فتوی بھی عدم اعتبار کو ترجیح دیتا ہے چنانچہ جب آپ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا : اختلاف مطالع شرعاً معتبر نہیں اور حنفیہ کے نزدیک صحیح اور محقق یہی ہے۔ (کفایت المفتی ۴ / ۲۰۹) (۵) ایک اور جواب میں فرماتے ہیں : حنفیہؒ نے احکام میں اختلاف مطالع کا شرعاً اعتبار نہیں کیا فی الواقع مطالع میں اختلاف ہو تا ہے لیکن احکام شرعیہ میں اس کا اعتبار نہیں ہے۔ حنفیہ کا استدلال حدیث صوموالرؤیۃ وافطروالرویۃ سے ہے الخ۔ (کفایت المفتی ج ۴ / ۲۱۱) (۶) مفتی اعظم مفتی عزیزالرحمٰنؒ کا فتویٰ، جنھوں نے دار العلوم دیوبند جو مذھب حنفی کی ایک عظیم درسگاہ ہے سے یہفتوی جاری کیا ہے تو ظاہر ہے کہ دار العلوم دیوبند کی مجلس علمی کا اس پر اتفاق ضرور ہوگا، چنانچہ فرماتے ہے : اختلاف مطالع عندالحنفیۃ معتبر نہیں ہے، اھل مغرب کو اگر چاند نظر آوے اور ثبوت اس کا شرعی طریق سے اہل مشرق کو ہو جائے تو انہیں بھی روزہ کا افطار لازم ہو جاتا ہے اور رؤیت اھل مغرب کی اھل مشرق کے لئے کافی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند (عزیزالفتاوی) ۱ / ۳۷۴)۔ (۷) اور ایک دوسرے فتویٰ میں تفصیلاً فرماتے ہیں ۔ اور یہی مسلم ہے کہ صحیح اور مختار مذھب کے موافق اختلاف مطالع ھلال صوم وفطر میں معتبر نہیں اھل مغرب کی رویت سے اھل مشرق پر حکم ثابت ہو جاتا ہے اور جبکہ معتبر راجح اور

ظاہر الروایات و مفتی بہ عدم اعتبار اختلاف مطالع ہے تو پھر اس میں بحث کرنا ہم مقلدین کے لئے بے موقع ہے کیونکہ فقہاء محققین کی توضیح اس کے بارے میں ہمارے لئے کافی حجت ہے۔ البتہ اھل مغرب کی رویت اھل مشرق کے لئے ثابت ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اھل مشرق کو طریق موجب سے اھل مغرب کی رویت محقق ہو جائے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند (عزیز الفتاوی) ۱/۳۷۶) (۸) دور حاضر کے محقق و مدقق فقیہ العصر مفتی رشید احمد صاحب مد ظلہ العالی نے اس مسئلہ پر کافی تحقیق فرمائی ہے جس میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں چنانچہ آپ کے دو فتاوی ملاحظہ ہوں۔ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ ایسے بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہونا چاہیئے جن کی رؤیت میں ایک دن سے زیادہ کا فرق ہو، اس لئے کہ اس صورت میں مہینہ کے ایام ۲۹ سے کم یا تیس سے زیادہ ہو جائیں گے اور یہ خیال نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔ یہ خیال اس لئے صحیح نہیں کہ فنی تحقیق کے مطابق پوری دنیا میں ایک دن سے زیادہ کا فرق ہو ہی نہیں سکتا، اگر کہیں ایسا ہوتا ہے تو اس کا سبب اختلاف مطالع نہیں بلکہ یہ عوارض فضائیہ یا خیالات بشریہ پر مبنی ہے۔ (احسن الفتاوی ۴/۴۸۷) (۹) ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: زید کا قول صحیح نہیں صوم میں اختلاف مطالع صرف شوافع کے ہاں ہے اور مالکیۃ کا اتفاق ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں بلکہ اھل مغرب کی رؤیت سے اھل مشرق پر صوم (روزہ) فرض ہو جائے گا۔ (احسن الفتاوی ۴/۵۰۰) (۱۰) بلکہ متاخرین فقہاء کرام و مفتیان عظام کا ایک متفقہ فیصلہ اور فتوی مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے ایک اجلاس میں جو ۱۶۔ ستمبر ۱۹۵۴ء بمطابق ۱۷۔ محرم الحرام ۱۳۷۴ھ ہوا تھا شائع ہوا ہے کہ حنفیہ کثر اللہ سواد ھم کے ہاں مفتی بہ اور ظاہر مذہب عدم اعتبار ہے ملاحظہ ہو وہ فیصلہ اگرچہ اس فیصلہ میں مختلف امور پر بحث ہو چکی ہے لیکن ہم اپنے اس زیر بحث مسئلہ کا حکم نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

اختلاف مطالع صوم (روزہ) و فطر (عید الفطر) میں بشرطیکہ دوسری جگہ ثبوت رؤیت بطریق موجب ہو معتبر نہیں ہوگا۔ صدر مجلس۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ محرر فیصلہ مولانا مفتی محمودؒ، قاسم العلوم ملتان ارکان مجلس: (۱) مفتی رشید احمد صاحب دار الافتاء کراچی (۲) مولانا مفتی

محمد عبداللہ صاحب، خیر المدارس (۳) مولانا محمد صادق ناظم امور مذہبیہ بہاولپور (۴) مولانا مفتی عبدالرحمٰن، محکمہ امور مذہبیہ بہاولپور اس کے علاوہ بھی کئی علماء و مفتیان اس مجلس کے ارکان تھے۔ تفصیل کے لئے احسن الفتاوی ۴ / ۴۸۲ ملاحظہ ہو۔ اور اس فیصلہ کی مصدقین حضرات علماء کی کافی تعداد بھی مذکور ہے جن میں (۱) مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ صاحب اعلاء السنن (۲) شیخ المشائخ مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری (۳) شیخ الحدیث ولی کامل حضرت مولانا عبدالحقؒ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (۴) مولانا مفتی محمد یوسفؒ صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (۵) مولانا مفتی مسعود احمدؒ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند (۶) مولانا مفتی عزیزالرحمٰنؒ بجنوری مفتی دارالعلوم دیوبند (۷) مولانا سعید احمدؒ سعید مدرس دارالعلوم دیوبند (۸) مولانا مفتی سعید احمد مفتی مظاہر العلوم سہارنپور۔ اس کے علاوہ بھی ہر مکتبہ فکر حنفی علماء کے تصدیقات موجود ہے۔ تفصیل کیلئے احسن الفتاویٰ ۴ / ۴۸۲ ملاحظہ ہو۔ گویا کہ علماء احناف قدیماً و حدیثاً سب کا اس پر اجماع ہے کہ حنفیہ کیلئے ظاہر الروایۃ اور مفتی بہ رائے اختلاف مطالع کا عدم اعتبار ہے۔

مذہب مالکی: حنفیہ کی طرح مالکیہ کے نزدیک بھی اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، بلکہ ان کے ہاں یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ ہم مذہب مالکیہ کی چند کتابوں سے بطور نمونہ مذہب کا اقتباس نقل کرتے ہیں۔

(۱) علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد الدردیر المالکی لکھتے ہیں: وعم الصوم سائر البلاد والاقطار ولو بعدت ان نقل عن المستفیضہ او عن عدلین بھما۔ (الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذہب الامام المالک ۱ / ۷۸۴) (۲) مالکیۃ کے مجتھد حافظ ابو عمر ابن عبدالبر النخری القرطبیؒ مالکیۃ کا مذہب نقل کر کے فرماتے ہیں۔ اذارئی الھلال فی مدینة اوبلدرؤیة ظاھرة اوثبتت رؤیة بشھادة قاطعة ثم نقل ذلک عنھم الی غیرھم بشھادة شاھدین لزمھم الصوم ولم یجزلھم الفطر (الکافی فی فقہ المالکی ۱ / ۲۹۱)۔ (۳) زمان حال کے محقق عالم دین شیخ وھبہ الزحیلی مالکیۃ کا مذہب الشرح الکبیر کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں: وقال المالکیة اذا رأی الھلال عم الصوم سائرالبلاد قریباً اوبعیداً ولایراعی فی ذلک مسافة قصر ولااتفاق المطالع ولا عدمھا یجب الصوم علی کل منقول الیہ ان نقل

بشهادة عدلين اوبجماعة مستفيضة اى منتشرة ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲ /۶۰۶)
(۴) مشہور و معروف محقق حافظ الدنیا حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے بھی مالکیۃ کا مذہب عدم اعتبار کا نقل کیا ہے ۔ ثانیھما مقابلہ اذارائی ببلدة لزم اهل البلاد كلها وهو المشهور عندالمالكية (فتح الباری ۴ / ۱۲۳) مالکیہ کی چند تصریحات سے (جو بطور نمونہ ذکر کئے گئے) واضح طور پر معلوم ہوا کہ مالکیہ کا مذہب بھی حنفیہ کیطرح عدم اعتبار کا ہے۔ بعض علماء کرام نے مالکیہ کا مذہب اسکے علاوہ نقل کیا ہے۔ آئندہ صفحات میں اس تحقیق کا بھی جائزہ لیا جائے گا۔

مذہب حنبلی : مذاہب اربعہ میں امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب بھی مذہب حنفی ومالکی کی طرح اختلاف مطالع کے عدم اعتبار کا ہے اور یہی ان کے ہاں بھی مفتی بہ ہے۔ نمونہ کے لئے چند کتابوں کی صریح عبارات اور فتاویٰ رقم کئے جاتے ہیں۔

(۱) محقق زمانہ اور فقہ حنبلی کے مشہور و معروف فقیہ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

اذارای الهلال اهل بلدلزم جميع البلاد الصوم وهذا قول الليثؒ وبعض اصحاب الشافعية (المغنی ۳ / ۸۸) (۲) علامہ علاؤالدین ابوالحسن علی بن سلیمان المرداویؒ لکھتے ہیں : اذا رأى الهلال اهل بلدلزم الناس كلهم الصوم لاخلاف في لزوم الصوم على من راه واما من لويراه فان كانت المطالع متفقة لزمهم الصوم ايضاً وان اختلف المطالع فالصحيح من المذهب لزوم الصوم ايضاً۔ (الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف ۱ / ۲۷۳) (۳) علامہ ابن تیمیہؒ فقیہ مذہب حنبلی فرماتے ہیں : فالصواب فى هذا والله اعلم مادل عليه قوله صومكم يوم تصومون وفطركم يوم تفطرون واضحاكم يوم تضحون فاذا اشهدشاهدان ليلة الثلاثين من شعبان انه راه بمكان من الامكنة قريب اوبعيد وجب الصوم ۔ (مجموعۃ الفتاویٰ الکبریٰ ۲۵ / ۱۰۵) (۴) شیخ وھبہ الزحیلی حنبلیہ کا مذہب نقل کرتے ہیں : قال الحنابلة اذا ثبتت رؤية الهلال بمكان قريبا كان اوبعيدا لزم الناس كلهم الصوم وحكم من لم يره حكم من راه (الفقہ الاسلامی ادلتہ ۲ / ۶۰۶) اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اختلاف

مطالع کا عدم اعتبار ان تینوں مذاہب کا متفقہ فیصلہ اور فتویٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ عبدالرحمٰن الجزائری نے بھی واضح الفاظ میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ ان تینوں مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کو جب بطریقہ شرعی پہنچ جائے تو دوسرے شہر کیلئے بھی موجب صوم (روزہ) وفطر (عید) ہے۔ چنانچہ علامہ الجزائری فرماتے ہیں : اذاثبتت رؤية الهلال بقطرمن الاقطار وجب الصوم على سائر الاقطار لافرق بين القريب من جهة الثبوت والبعيداذا بلغ هم من طريق موجب للصوم ولاعبرة باختلاف مطلع الهلال مطلقاً عند ثلاثةمن الائمة خالف الشافعية (کتاب الفقہ علی مذہب الاربعہ ۱ / ۵۵۰)

مذھب شافعی : اگرچہ امام شافعیؒ اختلاف مطالع کو اعتبار دیتے ہیں اور یہی انکا مذہب ہے لیکن اس حقیقت سے امام شافعیؒ کے بعض مقلدین فقہاء چشم پوشی نہ کرسکے۔ انہوں نے بھی ائمۃ ثلاثۃ کے مطابق قول کیا ہے اور فتویٰ صادر فرمایا ہے۔

(۱) چنانچہ علامہ ابن قدامۃ رقم طراز ہیں۔ اذراى الهلال اهل بلدلزم جميع البلاد الصوم وهوقول الليث وبعض الشافعية (المغنی ۳ / ۴۴) (۲) خود اس بات کا اعتراف شارح مسلم امام نوویؒ بھی کرچکے ہیں اور فرماتے ہیں : والصحيح عنداصحابنا ان الرؤية لاتعم الناس بل تختص بمن قرب ----- وقال بعض اصحابنا تعم الرؤية في موضع جميع اهل الارض (شرح مسلم للنووی ۱ / ۳۴۸) (۳) بلکہ علامہ ابن منذرؒ نے ایک قول امام شافعیؒ سے بھی نقل کیا ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں۔ علامہ ابن منذرؒ کا یہ قول شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے شرح موطا امام مالک میں نقل کیا ہے۔ قال اكثر الفقهاء اذاثبت بخبر الناس ان اهل بلدمن البلادان قدرأوه قبلهم فعليهم قضائماأفطر وهوقول اصحاب الراى ومالك واليه ذهب الشافعي احمد (اوجزالمسالک ۳ / ۶)

((جاری ہے))

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الشریعہ اکادمی، مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ

باسمہ تعالیٰ

الشریعہ اکادمی مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ کا علمی و فکری جریدہ "الشریعہ" یکم جنوری 1999ء سے انٹرنیٹ پر اپنی اشاعت کا آغاز کر رہا ہے۔ یہ جریدہ جو گذشتہ ۹ برس سے معروف عالم دین اور دانشور مولانا زاہد الراشدی کی زیر ادارت پہلے ماہانہ اور پھر سہ ماہی جریدہ کی صورت میں پابندی کے ساتھ شائع ہو تا رہا ہے، یکم جنوری ۱۹۹۹ء سے اسے پندرہ روزہ میگزین کی شکل دی جا رہی ہے جو ہر انگریزی ماہ کی یکم اور سولہ تاریخ کو مطبوعہ صورت میں شائع ہونے کے علاوہ انٹرنیٹ پر بھی جاری ہو گا اور ویب سائٹ http://www.ummah.net/al-sharia پر دنیا کے کسی بھی حصے میں پڑھا جا سکے گا۔ یہ پندرہ روزہ رسالہ اردو میں ہو گا جبکہ الشریعہ کا ایک ماہانہ انگلش ایڈیشن بھی ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو اسی ویب سائٹ پر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا' انشاء اللہ تعالیٰ۔ الشریعہ کا خصوصی موضوع "اسلامائزیشن" ہے اور اسلام کے عادلانہ نظام کا تعارف، اسلام کے خلاف کام کرنے والی بین الاقوامی لابیوں کی نشاندہی اور تعاقب، اسلامی احکام و قوانین کے بارے میں پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ اور اسلامی تحریکات کے درمیان رابطہ اور مفاہمت کا فروغ اس کے مستقل اہداف ہیں۔ مزید معلومات کیلئے پوسٹ بکس نمبر: 331 جی پی او گوجرانوالہ اور ای میل alsharia@paknet4.ptc.pk کے ذریعہ رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

والسلام: حافظ محمد عمار خان ناصر ڈائریکٹر الشریعہ اکادمی مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ، فون و فیکس: 0431-219663

مکتوب خصوصی

محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا مکتوب گرامی

۲۸۔ مئی ۹۸ء کو پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کر کے بھارت کے ایٹمی دھماکوں کا بھرپور جواب دیا جس کا سہرا دنیا کے نامور سائنسدان محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے سر ہے جس پر دارالعلوم حقانیہ کے مدرس مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحب نے اپنی عقیدت اور جذبات کے اظہار کے طور پر ڈاکٹر صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ایک نظم لکھی تھی جو کہ "الحق" بابت جولائی ۹۸ء میں شائع ہوئی۔ "الحق" کا وہ پرچہ افغانستان اور مختلف ممالک میں پاکستان کے سابق سفیر جناب امیر عثمان صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے محترم فانی صاحب کو یہ تاریخی گرانقدر مکتوب ارسال فرمایا جو کہ ہم ایک اہم یادگار کے طور پر شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

جناب مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب معرفت امیر عثمان صاحب سابق سفیر اسلام آباد

السلام علیکم!

امیر عثمان صاحب کی معرفت آپ نے جو پھولوں کا تحفہ اس ناچیز کو روانہ کیا تھا اس کیلئے تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن جذبات کا آپ نے میرے لئے اظہار کیا ہے اس سے آپ کی دلی محبت و شفقت ظاہر ہوتی ہے۔ براہ کرم اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ تندرست و خوش و خرم رکھے اور عمر دراز کرے۔ آمین۔

فقط والسلام

آپ کی دعاؤں کا طالب

ڈاکٹر عبدالقدیر خان (نشان امتیاز)

دار العلوم کے شب وروز

مولانا محمد ادریس حقانی

دورہ تفسیر قرآن کی اختتامی تقریب : ۲۱۔ رمضان المبارک کو دورۃ تفسیر قرآن کریم جس کی ابتداء شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ نے شعبان میں دار العلوم کی جامعہ مسجد میں کی تھی اختتامی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں تقریباً آٹھ سو طلباء نے شرکت کی۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے اختتام پر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کو خطاب کی دعوت دی۔ آپ نے تقریباً ایک گھنٹہ تک مفصل خطاب فرمایا۔ اور فضائل رمضان و قرآن ترجمہ و تفسیر کی اہمیت، علماء اور علم دین کی فضیلت اور عالمی حالات کے تناظر میں عالم اسلام افغانستان اور مملکت پاکستان کی سیاسی صورتحال پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ آپ کی تقریر کے بعد مولانا سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ نے خصوصی دعا فرمائی اور پھر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ' نے شرکاء دورہ تفسیر میں اسناد تقسیم کیں۔ تقریب میں طالبان تحریک کے زعماء اور علماء اساتذہ نے شرکی فرمائی۔

طالبان زعماء کی تشریف آوری : پھر اسی روز یعنی ۲۱۔ رمضان کو تحریک طالبان کے سرکردہ رھنما اور جلال آباد کے گورنر مولانا صدر اعظم حقانی بمع دیگر رفقاء اور وزراء کے تشریف لائے اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ اور مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ' مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب، مولانا حامد الحق صاحب اور مدیر الحق مولانا راشد الحق صاحب کے ساتھ دار العلوم کے دفتر اہتمام میں ملاقاتیں کیں اور افغانستان کی تفصیلی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔

دار العلوم کی جامع مسجد اور ایوان شریعت ہال میں شبینہ ختم القرآن :

دار العلوم کی جامعہ مسجد میں ہمیشہ کی طرح دار الحفظ کے بچوں نے پانچ روزہ ختم القرآن میں حصہ لیا۔ اور بہت ہی خوبصورت انداز میں تجوید و قرأت کیساتھ تراویح میں سپاروں کی تلاوت کی۔ اختتامی تقریب میں نائب مہتمم مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ نے فضیلتِ قرآن و رمضان پر جامع تقریر فرمائی۔ اور بچوں میں انعامات تقسیم کیے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب مدظلہ

نے بھی تقریر فرمائی اور آخر میں آپ نے اختتامی دعا فرمائی۔ اس کے علاوہ اس سال ۱۶، ۱۷ جنوری کو بمطابق ۲۸، ۲۹ر رمضان المبارک کو ایوان شریعت ہال میں حسب سابق شبینہ ختم القرآن منعقد ہوئی۔ اکوڑہ خٹک کے مشہور و معروف حافظ منظور احمد صاحب نے بمع دیگر حفاظ کرام کے قرآن سنانے کی سعادت حاصل کی۔ حافظ منظور صاحب کئی سالوں سے اس شبینہ کا اہتمام کرتے ہیں تقریب کے آخر میں مولانا حامد الحق صاحب اور مولانا راشد الحق صاحب نے آخری دعائی لمحات میں شرکت کی۔

دار العلوم کے تعلیمی سال کا آغاز: حسب سابق دار العلوم کے تعلیمی سال کا آغاز ہو چکا ہے اور طلباء کی ایک کثیر تعداد دار العلوم کے مختلف درجات میں داخلہ کیلئے آئی ہے۔ اور انشاء اللہ چند دنوں میں دار العلوم کا باضابطہ افتتاح ہونے والا ہے۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ افتتاحی تقریب کا آغاز کرینگے۔ داخلہ میں طلباء کے تعلیمی معیار کو پرکھنے کیلئے انتہائی سخت داخلہ ٹیسٹ رکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح طلباء کے اخلاق کردار اور شکل و صورت کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے۔

مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب
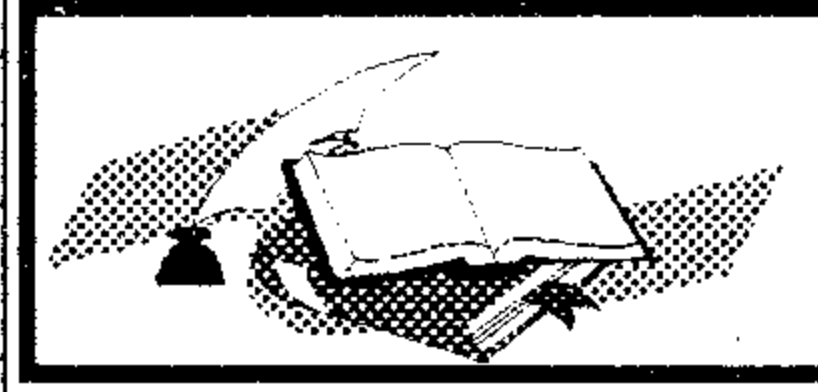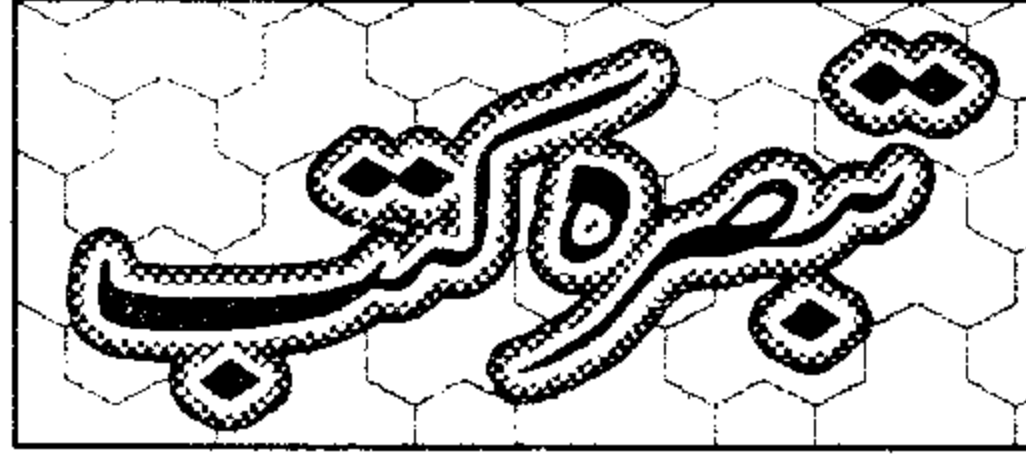
تبلیغی جماعت کی دینی جدوجہد : ماہنامہ الرشید لاہور کا خصوصی نمبر مرتب : مولانا عبدالرشید ارشد مدظلہ ضخامت : ۸۳۲ صفحات۔ قیمت :۔ /۳۰۰ روپے۔ سالانہ خریداروں کیلئے رعایتی قیمت : ۔ /۱۵۰ روپے ۔ ملنے کا پتہ : دفتر ماہنامہ الرشید ۲۵۔ لوئر مال لاہور

ماہنامہ الرشید لاہور کا عظیم الشان ضخیم اور تاریخی اہمیت کا حامل یہ خصوصی نمبر تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور دیگر زعماء حضرات مولانا محمد یوسفؒ اور حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ کی دینی کوششوں اور اصلاحی جدوجہد کے متعلق ایک مستند تحقیقی دستاویز ہے۔ ۸۳۲ صفحات پر مشتمل یہ خصوصی شمارہ تبلیغی جماعت کی دینی جدوجہد کے عنوان سے معنون ہے جس میں بانی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی سوانح حیات تعلیمات و ملفوظات امت کی اصلاح کیلئے آپ کی ہمہ تن سوز اور اسلام کے آفاقی پیغام کو عام کرنے کے بارے میں منتشر مواد یکجا کیا گیا ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت کے نام سے شہرہ آفاق کتاب لکھی تھی اور اسی طرح مولانا منظور نعمانی کے مرتب کردہ افادات ملفوظات مولانا محمد الیاسؒ ان کے علاوہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی تعلیمات اور سوانح پر بیش قیمت مقالات اور مضامین اس خصوصی اشاعت میں شامل ہیں۔ تبلیغی جماعت کے ان اساطین اور جماعت کی دینی دعوت کے متعلق ایسے معلومات موجود ہیں جو کسی بھی جملہ یا کتاب میں یکجا موجود نہیں۔ گویا زیر تبصرہ خصوصی نمبر تبلیغی جماعت کے متعلق ایک مستقل دائرۃ المعارف اور انسائیکلوپیڈیا ہے سیر و سوانح جماعت دلچسپی رکھنے والوں اور تبلیغی جماعت کے ساتھ کام کرنے والوں کیلئے بالخصوص اور عام اردو دان طبقہ کیلئے اس خصوصی نمبر کا مطالعہ ازحد مفید ہے۔ الغرض یہ ضخیم نمبر اپنی باطنی رعنائیوں کے ساتھ ساتھ ظاہری گٹ اپ کے اعتبار سے بھی دیدہ زیب ہے۔

ماہنامہ الرشید لاہور خصوصی شمارہ "شہید حکیم محمد سعیدؒ نمبر"

مرتب : مولانا عبدالرشید ارشد۔ ضخامت : ۲۵۶ صفحات۔ قیمت :۔ /۷۵ روپے۔

ناشر : عبدالرشید ارشد ۲۵۔ لوئر مال لاہور

ماہنامہ "الرشید" لاہور کے مدیر مولانا عبدالرشید ارشد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی نمبرات شائع کرنے کا جو ملکہ عطا فرمایا ہے وہ بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوگا۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند تاریخ دیوبند اقبال و مدنی اور پھر لغت نمبر ہمارے اس دعویٰ کے شاہد عدل ہیں زیر تبصرہ خصوصی شمارہ حکیم محمد سعید شہیدؒ نمبر بھی اسی ہی سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی ہے۔اسی خصوصی نمبر کے متعلق مدیر الرشید رقمطراز ہیں۔ "اس شمارے میں شہیدؒ کے متعلق منتخب تحریری اور خود ان کی تحریریں اور انٹرویو شامل ہیں"۔ چنانچہ مدیر صاحب نے انتہائی خوش اسلوبی سے ان منتشر تحریرات کو یکجا کر کے ایک خوبصورت ادبی شہپارہ گلدستے کی شکل میں قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔ حکیم صاحبؒ کی زندگی اور ان کے کارہائے نمایاں کی بابت بہت کچھ لکھا جائیگا۔ اسلئے آپکی شخصیت آفاقی تھی لیکن مولانا عبدالرشید ارشد صاحب اس گوئے توفیق و سعادت میں سب سے سبقت لے گئے۔ایں سعادت بزور بازو نیست۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا عبدالرشید ارشد صاحب کی ان کاوشوں کو قبولیت سے نوازیں (آمین)۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الفقہ المیسر (عربی) مؤلف : مولانا شفیق الرحمان الندوی صاحب مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو (انڈیا)۔ قیمت := / ۵۰ روپے۔ ناشر : زم زم پبلشرز نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی۔

زیر تبصرہ کتاب میں مؤلف نے احکام فقیہ انتہائی سہل اور عام فہم عربی میں جمع کیے ہیں جس سے نہ صرف مسائل فقیہہ آسانی سے یاد ہو جاتے ہیں بلکہ عربی زبان کے سیکھنے کی تمرین اور مشق بھی ہو جاتی ہے۔ مؤلف نے اس کتاب میں فقہ حنفی کی مشہور کتاب **نور الایضاح** کا خلاصہ پیش کیا ہے اور اسی طرح ہر کتاب اور ہر باب کی ابتداء آیت کریمہ اور حدیث سے کی ہے تاکہ مبتدی طالب علم کو ان مسائل کے ماخذ کے بارے میں علم ہو جائے ۔ ہمارے خیال میں اگر کتاب وفاق المدارس العربیہ کے نصاب میں شامل کیجائے تو اس کے انشاء اللہ بہترین نتائج برآمد ہونگے ۔ کتاب کا مقدمہ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے قلم سے ہے جو کہ ایجاز و اختصار کے باوجود انتہائی جامع اور پر مغز ہے۔اور زمزم پبلشرز نے اس کی خوبصورت اور دیدہ زیب طباعت میں حسب روایت بھرپور محنت کی ہے۔

احکام و مسائل : مؤلف : مولانا مفتی محمد مجاہد شہیدؒ صفحات : ۱۷۴۔ قیمت : درج نہیں
ناشر : مکتبہ العارفی جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

علوم دینیہ سے واقفیت تمام اعمال کی بنیاد ہے۔ جب تک علم صحیح حاصل نہ ہو تب تک کوئی عمل بھی درست

نہیں ہو سکتا۔ آج کل دینی معیار میں جو کمزوریاں نظر آتی ہیں ان میں سب سے زیادہ خطرناک مسلمانوں کا علوم دینیہ سے ناواقفیت ہے ایسے حالات میں مسلمانوں کی سب سے بڑی اور اہم ضرورت یہ ہے کہ مختلف انداز سے انکو دینی علوم کے حصول کے عمومی مواقع فراہم کئے جائیں۔ چنانچہ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد مجاہد شہیدؒ نے ماہنامہ "الصیانہ" لاہور میں احکام و مسائل کے عنوان سے ۱۹۹۳ء سے لیکر ان کی وفات سے ایک ماہ قبل تک احکام و مسائل کا یہ سلسلہ جاری رکھا تھا۔ جس میں قارئین نے بھرپور دلچسپی لی اور اب اسی مقبولیت اور عوام کی دلچسپی کے پیش نظر اس کو کتابی شکل دی گئی۔ ان مضامین کی ترتیب میں موضوعات اور مسائل کی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے انکے علاوہ بعض دوسرے عام فہم مضامین جو "الصیانہ" میں شائع نہیں ہوئے، جبکہ ان کی افادیت اور اہمیت مسلّم ہے اس مجموعہ میں شامل کردئے گئے۔ ابتداء میں اجتہاد کی اہمیت اور اس کی حدود تقلید کی حقیقت و حیثیت، تقلید کے بارے میں چند وضاحتیں اور چار مذاہب میں انحصار کی وجہ جیسے اہم عنوانات پر شہید موصوف نے سیر حاصل بحث کر کے کتاب کی علمی حیثیت میں مزید اور معتد بہا اضافہ کیا ہے اللہ تعالیٰ زیر تبصرہ کتاب شہیدؒ موصوف کیلئے باقیات صالحات میں محبوب فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆
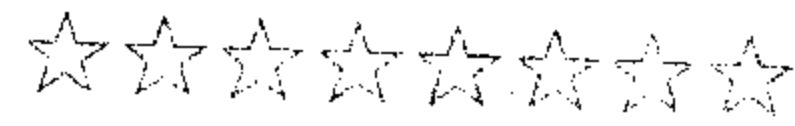
بخاری شریف غیر مقلدین کی نظر میں۔ تالیف: حافظ عبدالقدوس خان قارن۔
ضخامت: ۶۴ صفحات۔ قیمت: ۱۸/- روپے۔ ناشر: عمر اکادمی نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

غیر مقلدین عام مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کررہے ہیں کہ امام بخاریؒ کو احناف سے اور احناف کو امام بخاری سے اختلافات ہیں اور گویا خود یہ لوگ امام بخاریؒ کے ساتھ مکمل طور پر متفق ہیں، حالانکہ حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ جس طرح بعض مسائل میں احناف کا امام بخاریؒ کے ساتھ اختلاف ہے تو غیر مقلدین حضرات نے بھی کئی مسائل میں امام بخاریؒ سے اختلاف کیا ہے اور اسی رسالہ میں بطور نمونہ تقریباً چار درجن مسائل ذکر کئے ہیں، جن میں واشگاف الفاظ میں غیر مقلدین نے امام بخاریؒ سے اختلاف کا اعتراف کیا ہے۔ مؤلف نے زیر نظر رسالہ میں کسی حنفی عالم کا حوالہ پیش نہیں کیا ہے بلکہ مقلدین کے جید علماء شارحین حدیث اور منصب افتاء پر فائز حضرات کے حوالہ جات دیے ہیں بہرحال زیر تبصرہ رسالہ غیر مقلدین کے مذہب کی تردید میں ایک مفید اور ثمر آور اضافہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Regd.No.P - 90 Monthly "AL-HAQ" Akora Khattak